مجلّہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایما اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا۔

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوع اسلام

ماھنامہ ______ لاھور

خط و کتابت: ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) 25 بی گلبرگ- 2 لاہور 54660 ٹیلی فون: 876219 فیکس: 92-42-876219

فہرست مشمولات

لمعات	ادارہ طلوع اسلام	2
خدائی بادشاہت	علامہ غلام احمد پرویزؒ	4
جو مانگا تھا وہ نہ ملا	ظہور الحق (راولپنڈی)	20
نظریہ پاکستان اور دولت کی دوڑ	حنیف وجدانی (مری)	32
باڈی کلاک	خالد اسلام (سعودی عرب)	37
گر تو برا نہ مانے	زاہد صفدر (ناروے)	39
سود' انٹرسٹ اور ربٰو	سراج الدین احمد (اسلام آباد)	41
شریعت اسلام میں مرد اور عورت کا رتبہ	علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ	49
حقائق و عبر	ادارہ	55

انتظامیہ:- چیئرمین: ایاز حسین انصاری -- ناظم: محمد لطیف چوہدری

مدیر مسئول: محمد لطیف چوہدری -- مجلس ادارت: میجر محمد یوسف ڈار-- محمد عمردراز-- ڈاکٹر صلاح الدین اکبر --

ناشر: عطاء الرحمٰن ارائیں

طابع: خالد منصور نسیم -- مطبع: النور پرنٹرز و پبلشرز 3/2 فیصل نگر ملتان روڈ لاہور-

مقام اشاعت: 25-B گلبرگ 2 لاہور- 54660

جلد 49 | شمارہ 5 | مئی 1996ء

بدل اشتراک

فی پرچہ =/10 روپے | اندرون ملک سالانہ 120 روپے | ایشیا' افریقہ' یورپ 550 روپے | آسٹریلیا' امریکہ' کینیڈا 750 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

TOLERANT - MODERATE - LIBERAL PAKISTAN

ماہنامہ مکاشفہ بابت اپریل 96ء میں شائع ہونے والی ایک خبر کے مطابق 13 مارچ 1996ء بروز بدھ اقلیتی امور کے دفتر میں' اقلیتوں کے ایک اعلیٰ سطحی اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے سینٹر اقبال حیدر صاحب نے فرمایا کہ حکومت ایک TOLERANT - MODERATE - LIBERAL PAKISTAN کے لئے کوشاں ہے۔

جناب اقبال حیدر صاحب سے زیادہ اس حقیقت سے کون واقف ہو گا کہ پاکستان ایک جغرافیائی اکائی کے علی الرغم ایک نظریاتی مملکت ہے جسے وجود میں لانے والوں نے اس کے مقصد کا تعین غیر مبہم واضح اور واشگاف الفاظ میں کر دیا تھا۔ اس لئے موصوف اگر یہ فرماتے کہ مذہبی رواداری کے ضمن میں ہم بحیثیت مسلمان اپنی شان دار روایات کو قائم رکھیں گے تو شاید ان کا بیان ان شکوک و شبہات کو تقویت نہ دیتا جو پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانے کے لئے جناب اقبال حیدر اور ان کی پارٹی کے عزائم کے متعلق عوام کے ذہنوں میں ابھر رہے ہیں۔ کیا **اسلام**' جو نظریہ پاکستان کی اساس ہے' بردباری (TOLERANCE)' اعتدال پسندی (MODERATION) اور کشادہ نگہی (LIBERALISM) جیسی اقدار سے تہی داماں ہے جو حکمران پارٹی کو یہ اور اس قسم کی نئی نئی اصطلاحات وضع کر کے اقلیتوں کو خوش کرنے کی ضرورت پیش آ رہی ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ ارباب سیاست کے پیش نظر کچھ اپنی مصلحتیں بھی ہوتی ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کسی پارٹی کو اس حد تک جانے کی اجازت ہو کہ وہ اقتدار کا ناجائز فائدہ اٹھا کر اس نظریے ہی کو جڑ بیخ سے اکھاڑ پھینکے جس نظریئے کی حفاظت کے لئے عوام نے اسے منتخب کیا ہے اور جس نظریئے کے تحفظ کی اس نے قسم کھائی ہے۔ جناب اقبال حیدر اور ان کی پارٹی کے اکابرین سے مودبانہ التماس ہے کہ اسلام اگر انہیں اتنا ہی ناکافی' نامکمل اور ناقابل عمل نظر آتا ہے اور وہ دوقومی نظریئے سے ہٹ کر پاکستان کے لئے نئی بنیاد فراہم کرنا چاہتے ہیں تو بھی انصاف کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی پارٹی کے منشور میں اس بات کی کھل کر وضاحت کریں اور اس ترمیم شدہ منشور کے تحت از سر نو انتخاب لڑ کر عوام کا

MANDATE حاصل کریں۔

رہا پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ حسن سلوک کا سوال تو اس کے لئے غیرمسلم مصنفین کی شہادتیں موجود ہیں۔ ان کی روشنی میں مسلمانوں کے عہد حکومت پر نگاہ ڈالئے۔ خواہ وہ عرب میں ہوں یا عجم میں۔ چین میں ہوں یا ترکستان میں۔ مصر میں ہوں یا ہندوستان میں۔ ان میں سے کوئی حکومت ایسی نہ تھی جس پر غیرمسلموں کے ساتھ ناانصافی کا الزام عائد کیا جا سکے۔ چونکہ قرآن کریم کی تعلیم کا تقاضا ہے کہ کسی بھی شخص پر محض اختلاف مذہب کی بنا پر کوئی زیادتی نہ کی جائے اس لئے کسی کا ذاتی رجحان اور طبعی میلان کچھ ہی کیوں نہ ہو جب قرآن کریم سامنے ہو تو کوئی مسلمان عدل و انصاف اور غیرمسلموں سے رواداری سے اعراض نہیں برت سکتا۔

جہاں تک انتخابات میں رائے دہی کا سوال ہے۔ اقلیتوں کو اپنے نمائندے منتخب کرنے کے لئے حکومت چاہے تو ایک فرد کو دو کی بجائے چار ووٹوں کا حق دے دے لیکن عوام یہ کیونکر برداشت کر لیں کہ ایک خالصتاً" اسلامی مملکت میں قانون ساز اداروں کا انتخاب غیرمسلموں کے ہاتھ میں دے دیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ وہ آئیں اور اسلامی قوانین وضع کرنے کے لئے ہم مسلمانوں میں سے قرآن کا ادراک اور اسلام کا درد رکھنے والے نمائندے منتخب کرنے میں ہماری مدد کریں۔

اپریل 96ء کے شمارے میں ہم وضاحت سے لکھ چکے ہیں اور پھر سوال کارپوریشن یا ضلع کونسل کے انتخاب کا نہیں کہ غیرمسلموں کو انتخابی عمل کا حصہ نہ بنایا گیا تو ان کی روز مرہ ضروریات اور ان کے مفادات کا تحفظ نہ ہو سکے گا۔ سوال اس ادارے کے انتخاب کا ہے جس نے قرآنی احکام و اقدار کے تحت امت مسلمہ کے لئے اسلامی قوانین وضع کرنے ہیں لہٰذا اگر یہ بات طے ہے کہ ہم وہ اسلامی تشخص برقرار رکھنا چاہتے ہیں جو ہمارے ایمان کا تقاضا اور ہماری مملکت کا وجہ جواز ہے تو غیر مسلموں کے حقوق کی نگہداشت کے لئے بڑی سے بڑے یقین دہانی تو کرائی جا سکتی ہے لیکن ایک نظریاتی ریاست کے قانون ساز ادارے کے انتخاب میں انہیں شریک نہیں کیا جا سکتا۔ جداگانہ انتخابات اس مملکت کی بنیادی اساس ہے جسے غیر مسلمانوں کے ساتھ رواداری یا بقول اقبال حیدر صاحب لبرلزم Liberalism کی بھینٹ نہیں چڑھایا جا سکتا۔ قرآن' حدیث' اسوہ رسولؐ اور اجماع امت میں اس سے انحراف کی نہ گنجائش ہے نہ پاکستان کے لئے یہ کسی بھی جہت سے مفید ہو سکتا ہے۔ ماضی میں ہم یہ تجربہ کر کے آدھا پاکستان گنوا چکے ہیں اس لئے آزمودہ را آزمودن جہل است کے مصداق دوقومی نظریئے سے انحراف اور مخلوط انتخابات کے متعلق سوچنا بھی از روئے قرآن ہمارے لئے حرام ہے اور ملت پاکستانیہ کے لئے زہر قاتل۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدائی پادشاہت

(علامہ غلام احمد پرویزؒ کا اس وقت کا ایک مضمون جب ہنوز وہ چوہدری غلام احمد پرویز۔ بی اے تھے)

یوں تو دنیا میں ہر شکار میں ایک لطف ہے لیکن انسان سب سے زیادہ لذّت اس وقت محسوس کرتا ہے جب اس کا شکار خود دوسرا انسان ہو۔ نوعِ انسانی کی تاریخ پر نگاہ ڈالئے تو معلوم ہو گا کہ وہ اسی سلسلہ صید و صیاد کی ایک مسلسل داستان ہے۔ تہذیب و تمدن' معاشرت و عمرانیت کے بدلنے سے محض جال کی نوعیتیں بدلتی رہی ہیں لیکن جذبہ ہمیشہ وہی کار فرما رہا ہے۔ اصطلاحات میں تغیر و تبدل ضرور ہوتا رہا ہے لیکن مفہوم ہر جگہ وہی رہا ہے۔

انسان اپنے عہدِ طفولیت میں انفرادیت اور عدم علائق کی زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ ایک ایسی "جنت" میں رہتا تھا جہاں ع

کسے را با کسے کارے نباشد

لیکن یہ زندگی بچپن کی زندگی تھی۔ اس کی فطرت کسی اور اسلوبِ حیات کی متقاضی تھی۔ ارتقائی منازل میں انسان تمام مخلوق سے آگے تھا۔ اس کی تخلیق فی احسن تقویم (بہترین ہیئت پر) ہوئی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی دیگر مخلوق کے مقابلہ میں جسے اس نے اپنا تابع فرمان بنانا تھا یہ بہت کمزور اور ننھا پیدا کیا گیا تھا۔ تغلّب و تسلّط تو ایک طرف اسے تو اپنی مدافعت اور حفاظت کے لئے بھی کوئی سامان نہ دیا گیا تھا۔ اس لئے اس کی فطرت میں داخل تھا کہ یہ اجتماعیت یا مدنیت کی زندگی بسر کرے۔ ایک جماعت بن کر رہے۔

(**كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً**) اس لئے جب یہ بچپن کی زندگی سے ذرا آگے بڑھا تو اس کے احساسِ اجتماعیت Herd Instinct میں بیداری پیدا ہوئی۔ اور اس نے قبائلی زندگی اختیار کی۔ اس طرزِ زندگی کا تقاضا تھا کہ آپس میں کام بانٹ لئے جائیں۔ مختلف لوگ مختلف ضروریاتِ زندگی اور داعیاتِ حیات کے ذمہ دار ہوں۔ یہ تقسیمِ عمل تھی جس سے انسانی "گروہ سازی" کی ابتدا ہوئی۔ یہ ظاہر ہے کہ اس "سوسائٹی" میں فرائضِ مفوّضہ یکساں نہیں ہو سکتے تھے۔ کچھ فروتر تھے کچھ بالاتر۔ اگر ایک گروہ کے حصہ میں قبیلہ کے لڑائی جھگڑے نپٹانے کا کام آیا ہو گا تو دوسرے کی ڈیوٹی ڈھور ڈنگر چرانے پر لگی ہو گی۔ جن لوگوں کے حصہ میں بالائی سطح کے کام آئے انہوں نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ چوپاؤں کی سیاقت میں وہ ذہنی تعیش کہاں جو خود اپنے جیسے انسانوں کی سیادت میں ہے۔ جانوروں کے شکار میں وہ لذّت کہاں جو اپنے ہمجنسوں کے خون میں ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسی تدابیر اختیار کرنا شروع کیں کہ ہاتھ آئی ہوئی طاقت کبھی چھننے نہ پائے۔ یہیں سے حکومت کی بنیاد پڑی یعنی ایک انسان کا دوسرے انسان پر غلبہ

و اختیار۔ اربابِ اقتدار نے اپنی سطوت و تغلب کو قائم رکھنے کے لئے مختلف قوتوں کو اپنے اندر مرکوز کرنا شروع کیا تاکہ ان کے خوف اور دبدبے سے دوسرے انسانوں کو اپنا مطیع و فرماں بردار بنائے رکھیں۔ حصولِ قوت اور اس کے استحکام و استبقا' کے اسی اہتمام و انتظام کا نام نظامِ سلطنت قرار پایا۔ اور جس کے ہاتھ میں قوت و اختیار ہو اس کی مرضی اور منشاء کا نام قانون رکھا گیا۔ ابتدا تو ہوئی تھی اس ضرورت کے ماتحت کہ انسان اپنی حیاتِ اجتماعیہ کا نظام، تقسیم عمل سے صحیح طور پر قائم کر سکے لیکن یہی چیز اس کے جذبۂ حکومت کی تسکین کا سامان بن کر رہ گئی۔

معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں یہ اقتدار و اختیار ایک جماعت کے ہاتھ میں تھا اور اس جماعت میں نسلاً" بعد نسلٍ منتقل ہوتا رہا۔ پھر اس جماعت میں کوئی فرد زیادہ طاقت ور نکل آیا تو اس نے یہ تمام اختیارات اپنی ذات میں مرکوز کر لئے اور یوں دنیا میں شخصی حکومت کی بنا پڑی جو ذاتی املاک اور جائداد کی طرح اس کی اولاد میں متوارث آتی رہی۔ انسانی فطرت نے اس طرزِ حکومت کے خلاف بغاوت کی تو بطور انتقام یہ اختیارات پھر فرد سے جماعت کے ہاتھ میں چلے گئے۔ جسے جمہوری حکومت کہا گیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کے خلاف بھی بغاوت شروع ہو گئی تو پھر وہی شخصی حکومت ڈکٹیٹر شپ یا آمریت کی شکل میں نمودنما ہو گئی۔ حکومت جماعتی تھی یا شخصی' جمہوری تھی یا آمرانہ فرق صرف ظواہر و رسوم میں تھا۔ روح ہر جگہ وہی کارفرما تھی۔ یعنی ایک انسان کا دوسرے انسان پر' یا انسانوں کے ایک گروہ کا دوسرے گروہ پر حکومت کرنا۔ عصرِ حاضرہ مغرب کی جمہوریت کو بہترین طرزِ حکومت قرار دیتا ہے اور بڑے فخر و ناز سے دعوے کرتا ہے کہ اس نے انسانیت کو ازمنۂ متوسط کے شخصی استبداد سے نجات دلا کر آزادی کی فضا میں کھلا چھوڑ دیا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم ابھی عرض کر چکے ہیں۔ فرق صرف قالب میں ہے۔ روح وہی ہے ۔

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جسکے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

جمہوریت ہو یا آمریت۔ زمانہ قدیم میں ہو یا عصرِ حاضرہ میں۔ نظامِ حکومت کی بنا اس پر قائم ہے کہ صاحبِ اقتدار کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی منشاء کے مطابق قانون بنائے اور دوسروں سے ان قوانین کی اطاعت کرائے۔ جمہوریت میں اکیاون (51) کی اکثریت کو حق حاصل ہے کہ وہ انچاس (49) کی اقلیت سے اپنا فیصلہ بہ جبر منوائے۔ مثلاً اگر کسی اسمبلی یا کیبنٹ میں یہ سوال پیش ہو کہ خدا ہے یا نہیں۔ اور اکیاون آراء خدا کی ہستی کے خلاف ہوں تو انچاس آراء والی جماعت کو ماننا پڑیگا کہ واقعی (نعوذ باللہ) خدا نہیں ہے۔ اور یہی فیصلہ پھر ملک کا قانون بن جائے گا۔ جسے "انتظام" یعنی قوت کے دباؤ سے منوایا جائے گا اور اس فیصلہ کے خلاف آواز اٹھانے والے کو حکومت کا باغی قرار دیا جائے گا۔ یہی اصول آمریت کے اندر جلوہ پیرا ہے۔ جمہوریت میں جو شخص اراکین کی اکثریت اپنے ساتھ ملا لے وہی صاحب اختیار ہو جاتا ہے۔ البتہ اس میں ہوتا یہ ہے کہ ایک ایک معاملہ الگ الگ پیش کیا جاتا ہے اور اس میں رائے شماری کی رسم پوری کر لی جاتی ہے۔

اور آمریت میں ایک ہی مرتبہ ان رسمی تکلفات کو طے کر لیا جاتا ہے۔ قوم ایک ہی دفعہ فیصلہ کر کے (بجبر یا برضا و رغبت) ایک شخص کے ہاتھ میں زمامِ اختیار دے دیتی ہے اور پھر اس شخص کے فیصلے قانون کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ قوانین (جمہوریت کے ہوں یا آمریت کے) آخری اور اٹل ہوتے ہیں۔ اور ان کے خلاف کہیں اپیل نہیں ہو سکتی۔

لیکن جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ جمہوریت ہو یا آمریت۔ جماعتی حکومت ہو یا شخصی۔ فطرتِ انسانی نے ہر اندازِ حکومت سے اباء کیا ہے۔ اس لئے کہ ہر طرزِ حکومت کی بنیاد اس مفروضہ پر رکھی جاتی ہے کہ بعض انسانوں کو حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کو اپنی مرضی کے مطابق چلائیں۔ حالانکہ یہ بنیاد ہی غلط ہے اور چونکہ خلافِ فطرت ہے اس لئے انسانی فطرت غیر محسوس اور غیر شعوری طور پر اس کے خلاف اپنے سینہ میں بغاوت کے جذبات موجود پاتی ہے۔ لیکن چونکہ ایک عرصہ کی "خوئے غلامی" سے اس کی قوتِ تمیز دب چکی ہوتی ہے اس لئے اسے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کونسی بنیادی خرابی ہے جس کی وجہ سے اس کی فطرتِ صالحہ اس طرزِ زندگی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی ہے۔ اس اضطرابی کیفیت میں وہ کرتا یہ ہے کہ اس نظام کو اُلٹ دیتا ہے جو اس کے سامنے موجود ہوتا ہے اور اس کی جگہ ایک دوسرا نظام قائم کرتا ہے جس کے متعلق سمجھ لیتا ہے کہ اس میں اسے اطمینان و سکون حاصل ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ دوسرا نظام بھی انہی غلط بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔ جن پر پہلا نظام قائم تھا۔ لہٰذا انسان کی کیفیت ہمیشہ سے یہ رہی ہے کہ ؎

رست از یک بند تا افتاد در بند دگر

نتیجہ اس کا یہ ہے کہ انسانیت کی پوری تاریخ کے اوراق الٹتے جایئے (چند صفحات کے سوا) ہر صفحہ پر لکھا ملے گا کہ ع

تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی !

انسان کی عام حالت اس مریض کی سی رہی ہے جسے یہ تو معلوم نہ ہو کہ مجھے مرض کیا ہے لیکن اتنا ضرور جانتا ہو کہ میں تن درست نہیں ہوں پھر وہ ہر نئے علاج کے وقت بلا اختیار پکار اٹھے کہ بس۔ یہ ہے تریاق ! لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خود اپنے ہاتھوں سے مزعومہ تریاق کے شیشے پھوڑ ڈالے اور کسی نئے تریاق کی جستجو میں چل نکلے۔ اور اس کی تمام عمر انہی تجربوں میں بسر ہو جائے۔

كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا (2/20)

جب ذرا بجلی چمکی تو دو قدم چل پڑے۔ اور جب پھر اندھیرا ہو گیا تو ٹھٹک کے رہ گئے۔

☆

انسانیت اسی تگ و تاز' اسی اضطراب و انتشار میں اُلجھتی' تڑپتی' مُرغِ بسمل کی طرح یوں پھڑ پھڑاتی چلی آرہی تھی کہ ع

ہر قدم پر تھا گماں۔ یاں رہ گئی۔ واں رہ گئی

کہ آج سے قریب چودہ سو برس پیشتر حظیرۂ قدس کی ایک دل کش آواز اس کے کانوں میں آئی کہ آؤ تمہیں بتایا جائے کہ تمہارے دکھ کا درماں کیا ہے' اس مرض کی دوا کونسی ہے ! تم نے کہاں غلطی کی ہے اور اس کا ازالہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اس آواز نے بتایا کہ تمہاری بنیادی غلطی یہ ہے کہ تم نے سمجھ رکھا ہے کہ ایک انسان کو حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ

دوسرے انسان پر حکومت کرے۔ یہ غلط ہے اور خلافِ فطرتِ انسانی۔ یاد رکھو

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (12/40)۔

حکومت کا حق صرف اللہ کو حاصل ہے جو تمام انسانوں سے بلند و بالاتر ہستی ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

اس کے سوا کسی کو حق حاصل نہیں کہ انسان کو اپنا محکوم بنائے۔ تمام انسان ایک سطح پر ہیں۔ برابر ہیں۔ اس لئے کوئی کسی دوسرے پر بالادست نہیں ہو سکتا۔ بالادست صرف وہ ہستی ہو سکتی ہے جو فی الواقعہ انسانوں سے بالاتر ہو۔ اور وہ صرف خدا کی ذات ہے۔ حتیٰ کہ وہ برگزیدہ ہستیاں جو تمام نوع انسانی کی رشد و ہدایت کے لئے انتخاب کر کے بھیجی جاتی رہی ہیں انہیں بھی یہ حق حاصل نہیں کہ انسانوں کو اپنا غلام بنا لیں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ۔ (3/78)۔

"کسی انسان کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اللہ اسے کتاب و حکم و نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے یہ کہنا شروع کر دے کہ تم اللہ سے ورے ہی میرے غلام بن جاؤ۔ (بلکہ وہ یہی کہے گا کہ) تم سب اللہ (کے غلام) بن جاؤ۔ کہ تم (قوانینِ الٰہی کی) کتاب خود بھی پڑھتے ہو اور دوسروں کو بھی پڑھاتے ہو۔"

یہ قوانینِ الٰہی جن کی اتباع سے انسانوں کو ہر ایک کی غلامی کا طوق اتار کر فقط ایک اللہ کا غلام بننا تھا' اس کتابِ مقدس۔ اس صحیفہ آسمانی میں منضبط ہوتے جو ان حضرات انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتا۔ انبیاء کرام کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔

وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ (2/213)۔

اور (اللہ نے) ان پر کتاب نازل کی حق کے ساتھ۔ تاکہ وہ ان امور میں جن میں لوگ اختلاف کرتے ہوں حکم بنیں۔ (فیصلے کریں)۔

جو ان قوانینِ الٰہیہ کے مطابق حکومت نہ کرے۔ وہ خدا کا عملاً منکر ہے۔ حدود اللہ سے تجاوز کرنیوالا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (هم الكفرون) (5/44-45)۔

"اور جو قوانینِ خداوندی کے مطابق حکومت نہ کرے گا (فیصلے نہ کرے گا) تو ظالمین میں سے ہو گا۔ کافرین میں سے ہو گا۔"

یہ قوانینِ خداوندی مختلف زمانوں میں مختلف اقوامِ عالم کو وقتاً" فوقتاً" ملتے رہے۔ لیکن چونکہ وہ یا تو حوادثِ ارضی و سماوی سے محفوظ نہ رہ سکے۔ یا ان میں انسانی ہاتھوں نے ردّ و بدل کر ڈالا۔ اس لئے ان کا آخری اور مکمل ایڈیشن قرآنِ کریم کی شکل میں دنیا کو دیا گیا۔ اور یہ ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے لیا کہ اب اس آخری پیغام میں قیامت تک کسی قسم کا ردّ و بدل اور تحریف و الحاق نہیں ہو سکے گا۔ اس ضابطۂ خداوندی کی غرض و غایت یہی تھی کہ نظامِ حکومت اسی کے ماتحت قائم ہو۔ توریت و انجیل کے ذکر کے بعد فرمایا:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ (5/48)-

"اور ہم نے (اے رسول) تمہاری طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل کی ہے- جو ان تمام کُتبِ سماوی کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پیشتر دنیا کو مل چکی ہیں اور ان کے مضامین کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے- پس اس ضابطۂ خداوندی کے مطابق لوگوں میں (نظام) حکومت قائم کرو (فیصلے کرو) اور لوگوں کے خیالات کی اتّباع مت کرو- ورنہ وہ تمہیں اس راستہ سے ہٹا دیں گے جو تمہیں حق صداقت کے ساتھ دیا گیا ہے-

☆

یہ قوانین چونکہ اس خدائے کائنات کے مرتّب فرمودہ ہیں جو ربّ العالمین ہے- جو تمام نوعِ انسانی کا یکساں پروردگار ہے- اس لئے ان میں کسی جماعت- خاص قوم- خاص ملک کی کوئی رعایت نہیں کی گئی- نہ کسی کی مخالفت- انسانوں کے وضع کردہ قوانین کتنے ہی بلند درجہ پر کیوں نہ ہوں ان میں ارادی یا غیر ارادی طور پر اپنی جماعت کے مفاد کی طرف میلان ضرور ہو گا- جب تک انسان کے سینہ میں دھڑکنے والا دل میں موجود ہے- وہ جذبات سے عاری نہیں ہو سکتا- اور جذبات کا تقاضا ہے کہ وہ امیال و عواطف کی رنگینی قبول کر لیں-

عقلِ خودبیں غافل از بہبودِ غیر
سُودِ خود بیند نہ بیند سُودِ غیر

برعکس اس کے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ان جذبات سے منزّہ و مبرّا ہے اس لئے اس کے وضع کردہ قوانین میں کسی خاص سمت جھک جانے کا امکان ہی نہیں ہو سکتا- وہاں ہر معاملہ اصول پر مبنی ہو گا اور ایک خاص قاعدے اور قانون کے ماتحت اس کا فیصلہ ہو گا-

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (57/25)-

"بلا ریب ہم نے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب یعنی قوانینِ عدل و انصاف نازل کئے- تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں-"

وحیٔ حق بینندۂ سُودِ ہمہ
درنگاہش سُود و بہبودِ ہمہ

☆

پھر دنیاوی نظامِ حکومت میں کوئی نہ کوئی منزل ایسی آئے گی جہاں پہنچ کر قوانین کے وضع یا نافذ کرنے والے خود قانون کی حد سے بالاتر ہو جائیں گے- یا کم از کم ان کے فیصلوں کی اپیل کہیں نہیں ہو سکے گی- ڈکٹیٹر شپ- جو انسانی نظامِ حکومت کے سلسلۂ ارتقاء میں آخری کڑی سمجھی جاتی ہے- اسی اصول پر مبنی ہے کہ ڈکٹیٹر کا ہر لفظ قانون ہوتا ہے- اور وہ خود قانون سے بالاتر- سٹالن اپنی کتاب "لینن" میں خود لینن کے الفاظ نقل کرتا ہے کہ :

"ڈکٹیٹر کے معنی ہیں قوت- غیر محدود قوت- ایک قاہرہ قوت- جو خود آئین و دستور سے بلند ہو- اور اس کا ہر لفظ قانون ہو"-

اٹلی کے ہر مدرسہ کی دیوار پر فسطائیت کے دس اصول آتشیں حروف میں لکھے جاتے ہیں جن میں سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ مسولینی کا ہر لفظ قانون ہے- اور وہ کبھی غلطی نہیں کر سکتا- المانیہ میں ہٹلر کا ہر اشارہ قانون بن کر نافذ ہوتا ہے- شاہِ انگلستان کے متعلق بھی دستور و آئین میں یہ شق

رکھنی پڑتی ہے کہ وہ کبھی غلطی نہیں کر سکتا۔ ہندوستان میں ابھی پچھلے دنوں مہاتما گاندھی کے متعلق علانیہ کہا گیا کہ وہ منزّہ عن الخطا ہیں۔ یعنی ہر جگہ اس کی ضرورت پڑتی ہے کہ نظامِ آئین و دستور میں سب سے اُوپر کی کڑی کسی کی مطیع و فرماں بردار نہ ہو۔ اس کے برعکس نظامِ خداوندی میں کوئی بھی کڑی ایسی نہیں ہوتی جو احاطۂ اطاعت و اتّباع سے باہر نکل جائے۔ بلکہ وہاں تو اطاعت اور بلندیٔ مدارج لازم و ملزوم ہیں۔ جتنا کوئی بلند ہوتا ہے۔ اتنی ہی زیادہ اطاعت اسے کرنی پڑتی ہے اور جتنی زیادہ کوئی اطاعت کرتا ہے۔ اسی نسبت سے اسے سرفرازی اور سربلندی کے مدارج عطا ہوتے ہیں۔ نظامِ خداوندی میں ذاتِ رسالت مآب صلعم کو جو مرتبہ حاصل ہے وہ ظاہر و باہر ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

لیکن خود حضورؐ کے لئے سب سے بڑا شرف اجتباء یہ ہے کہ وہ عَبْدُہٗ اللہ کے غلام۔ اس کے مطیع و فرماں بردار اور قوانینِ خداوندی کی سب سے زیادہ اتباع کرنے والے ہیں۔ ارشاد ہے۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (6/107)۔

"جو کچھ تیرے ربّ کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے اس کی اتّباع کرو۔"

اس نظامِ کائنات کا ایک ایک ذرّہ اطاعت کے اٹل اور بے پناہ قانون میں جکڑا ہوا ہے۔ اگر سورج کا عظیم الشّان کرہ ایک میکنڈ کے سویں حصہ کے برابر بھی اس قانونِ اطاعت میں تساہل برتے تو یہ تمام نظامِ شمسی دُھنی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح فضائے آسمانی میں اُڑتا نظر آئے۔ خاک کے ایک ادنیٰ ذرے سے لیکر ان بڑے بڑے محیّر العقول کُرّوں تک تمام کے تمام ایک بلند و بالاتر قانون کے مطیع و منقاد ہیں۔ اسی سے یہ سلسلۂ نظم و ضبط قائم ہے۔ تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ فطرت کا یہ منشاء ہو سکتا ہے کہ انسان کے لئے کسی منزل (اسٹیج) پر پہنچ کر اطاعت کا قانون غیر ضروری ہو جائے؟ لیکن انسانوں کے بنائے ہوئے نظام میں اس کے سوا چارہ نہیں کہ ایک خاص منزل پر پہنچ کر کسی نہ کسی انسان یا انسانوں کی جماعت کو اطاعت کے قانون سے مستثنیٰ کیا جائے۔ یہ ہے وہ دوسرا بنیادی نقص جو دنیا میں انسانوں کے وضع کردہ نظامِ حکومت میں موجود رہتا ہے اور جس کے دُور کرنے کا کوئی طریقہ نہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ جمہوری نظام میں مجلسِ واضعینِ قوانین کا ہر رکن' قانون کی اطاعت پر اسی طرح سے مجبور ہے جس طرح دوسرے انسان۔ اس لئے وہ جماعت اطاعت کے قانون سے مستثنیٰ نہیں ہوتی۔ لیکن جس جماعت کے اختیار میں ہو کہ جس وقت چاہے کوئی قانون بنا لے اور جب جی چاہے اس میں ردّ و بدل کر دے یا اسے منسوخ ہی کر ڈالے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ جماعت کتنے وقت تک اطاعت کی ملف رہے گی؟ صرف اس وقت تک جب تک اسے اس قانون کی اطاعت میں اپنا فائدہ نظر آتا ہو۔ جب اسے اس اطاعت میں نقصان معلوم ہو گا تو وہ جھٹ سے قانون بدل ڈالے گی۔ جب یہ حالت ہو تو کیا یہ کہنا درست ہو گا کہ یہ جماعت قانون کی اطاعت پر مجبور ہے! درست تو یہ کہنا ہو گا کہ خود قانون اس جماعت کی اطاعت پر مجبور ہے! قرآنِ کریم نے ان ہر دو اہم اور بنیادی نقائص کو الگ کر کے رکھ دیا۔ جب اس نے فیصلہ کر دیا کہ:

(1) کسی انسان کو دوسرے انسان پر حکومت کرنے کا

حق حاصل نہیں- یہ حق صرف ذاتِ باری تعالیٰ کو حاصل ہے---- اور

(2) کوئی انسان ایسا نہیں جسے قانون کی اطاعت سے مستثنیٰ قرار دیا جائے-

اور یہ نقائص اسی صورت میں دُور ہو سکتے ہیں کہ قانون کے اصول انسانوں کے وضع کردہ نہ ہوں بلکہ انسانوں سے اعلیٰ و ارفع ہستی کے متعین فرمودہ ہوں- اللہ تعالیٰ کے اس ضابطۂ قوانین کے ماتحت کسی انسان کو قانون سازی کا حق باقی نہیں رہتا- ان کے سپرد صرف یہ خدمت ہوتی ہے کہ ان اصولوں کی روشنی میں جزئیات و فروعات کو ترتیب دیں اور پھر دنیا میں ان قوانین کی تنفیذ کریں- جب دنیا میں نظامِ آئین و دستور کی یہ شکل پیدا ہو گی تو اس وقت کہا جا سکے گا کہ انسان کو فی الواقعہ آزادی حاصل ہے- کیونکہ اس وقت کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا غلام نہ ہو گا- اس وقت وہ تمام اغلال و سلاسل جو بالادست انسانوں نے زیردست انسانوں کی گردن میں مختلف نام دیکر ڈال رکھے ہیں ایک ایک کر کے اُتر جائیں گے اور انسان خدا کی اس کھلی فضا میں اطمینان کا سانس لے گا اور سر اُونچا کر کے چل سکے گا- اس وقت وہ محسوس کرے گا کہ ؎

بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام
نے غلام اُو را نہ اُو کس را غلام
رسم و راہ و دین و آئینش زحق
زشت و خوب و تلخ و نوشینش زحق

قرآنِ کریم نے نبی اکرمؐ کی بعثت کا مقصدِ عظیم یہی قرار دیا ہے جب فرمایا کہ وہ اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (7/157)

وہ ان تمام طوق و سلاسل کو اُتار دینگے جو انسانیت کی گردن میں پڑے ہوئے ہیں- اور یوں انسانوں کو اس بوجھ سے سبکدوش کر دینگے جن کے نیچے وہ دب رہے ہیں-

حضورؐ اس مقصدِ عظیم کو لے کر تشریف لائے اور اپنی مختصر سی حیاتِ طیبہ میں قدوسیوں کی ایک جماعت پیدا کر کے دنیا کو دکھا دیا کہ اس سطحِ ارض پر خدا کی وہ پادشاہت کیسے قائم کی جا سکتی ہے جس میں "ایک انسان اور اسکے خدا کے درمیان کوئی دوسری طاقت حائل نہ ہو-" (حضرت عمرؓ)- جب اس نظام کی تکمیل ہو گئی تو ہر دیکھنے والی آنکھ نے دیکھ لیا کہ "جنتِ ارضی" اسے کہتے ہیں- اس نظام کی تکمیل کے بعد نبی اکرمؐ نے اپنے حجتہ الوداع کے مشہور خطبہ میں فرمایا کہ:

ان الزمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق اللہ السموات والارض-

آج زمانہ مختلف چکر کاٹ کر اپنی اصلی ہیئت پر پہنچ گیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے تخلیقِ کائنات کے دن بنایا تھا-

یعنی آج انسانیت اس فضا میں پہنچ گئی ہے جو فضا اس کی فطرت کے عین سازگار تھی اور جسے انسانی جذبۂ تغلّب و تسلّط کی دسیسہ کاریوں نے اس قدر مکدّر کر رکھا تھا- یہ فضا کیا تھی-

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا- لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ- ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ- وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ- (30/30)

اللہ کا وہ قانونِ فطرت جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا اور جس میں کوئی ردّ و بدل نہیں ہو سکتا یہ ہے

دینِ قیّم (ایک محکم اور مضبوط قانونِ حیات) _ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں۔

یہ "دینِ قیّم" کیا ہے۔ اسے وعظِ یوسفی کے الفاظ میں سنئے۔ فرمایا:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

اے قید خانہ کے ساتھیو! ذرا سوچو تو سہی کہ کیا مختلف اور متفرق "خدا" (آقا) اچھے ہیں یا ایک خدا جو تمام قوتوں کا مالک ہے۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ

تم اللہ سے ہٹ کر ہی جن آقاؤں کی محکومی اختیار کر لیتے ہو ان کی حقیقت سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ تم نے اور تمہارے آباؤاجداد نے کچھ نام مقرر کر رکھے ہیں (اصطلاحات وضع کر چھوڑی ہیں)

مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ

ان "خداؤں" (آقاؤں) کی محکومی اختیار کرنے کے لئے اللہ کی طرف سے تمہارے پاس کوئی سند نہیں ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ

یاد رکھو! حکومت کا حق صرف اللہ کو حاصل ہے۔

اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ

اس نے حکم دے رکھا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی محکومی اختیار نہ کرو۔

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (12/39-40)

یہ ہے دینِ قیّم۔ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ (12/39-40)

☆

باب دوم

اس مختصر سے مضمون میں یہ بتانا تو مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے کہ اس نظامِ زندگی میں جو حکومتِ الٰہی کے ماتحت مرتّب ہوتا ہے۔ یہ دنیا جسے انسانی چیرہ دستیوں نے جہنم زار بنا رکھا ہے کس طرح امن و سکون کی جنت بن جاتی ہے۔ اس کے لئے تو ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔ البتہ اس وقت ہم ان دو اصولی باتوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جن کی غلط بنیادوں کی وجہ سے انسانیت کا گلا گھٹ رہا ہے اور اضطراب و عدم اطمینان کی ایک آگ ہے جس کے شعلے دلوں کو لپٹ رہے ہیں۔ یہ دو بنیادی چیزیں ہیں۔ دولت اور قوت Power (Property) Wealth and کی غلط تقسیم اور غلط استعمال۔ تاریخ عالم پر نگاہ ڈالنے سے یہ حقیقت آپ پر بے نقاب ہو جائے گی کہ دولت اور قوت کا بے جا استعمال ہی تمام فتنہ سامانیوں کا سرچشمہ ہے۔ اجمالاً دیکھئے کہ ضابطۂ خداوندی ان دونوں فتنوں کا کس طرح سے سدّباب کرتا ہے اور انہیں کس طرح حدود و قیود کی پابندیوں میں گھیر کر ان سے ایسا کام لیتا ہے جیسے کسی انجن میں بھاپ ہو۔ چند موٹے موٹے عنوانات پر غور فرمایئے۔

☆

(1) **زمین کسی کی ملکیت نہیں**:- زمین پر ذاتی قبضہ اور اس کی ناہموار تقسیم دنیا میں عظیم الشان فتنوں کا باعث بنی رہی ہے اور بن رہی ہے۔ ایک شخص کے پاس دس ہزار بیگھہ زمین ہے جس پر وہ بلا شرکتِ غیرے قابض ہے اور وہ باپ سے بیٹے کی

طرف وِراثتاً" منتقل ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا شخص ہے جسے سال بھر کے اناج کے لئے زمین کا ٹکڑا نہیں ملتا۔ اس کے لئے وہ "زمین کے مالک" کا محتاج ہے۔ وہ دن کی چلچلاتی دھوپ اور رات کے کڑکڑاتے جاڑے کی محنت کا ماحصل اس کے قدموں میں ڈھیر کر دیتا ہے اور اپنے بچوں کی روٹی کے لئے اس کے ہاتھوں کی طرف تکتا ہے۔

حاصلِ آئین و دستورِ ملوک؟
دِہ خدایاں فربہ و دہقاں چو دوک

قرآنِ کریم زمین کی شخصی ملکیت کو تسلیم نہیں کرتا۔

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (7/128)

یقیناً زمین اللہ کی ملکیت ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنا دے۔

زمین رزق حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اس لئے اس کی تقسیم لوگوں کی محنت اور ضرورت کے اعتبار سے ہونی چاہئے اور اس کا نظم و نسق اس جماعت کے ہاتھ میں جو حکومتِ الٰہی کے قیام کے لئے بطور "خلیفۃ فی الارض" متمکن ہو۔ سرحد کے آزاد قبائل میں آج بھی یہ حالت ہے کہ گاؤں کا خان ہر تیسرے یا پانچویں برس "بندوبست" کی تجدید کرتا ہے اور ہر شخص کی ضرورت اور محنت کے مطابق زمین کے ٹکڑے تقسیم کر دیتا ہے۔ زمین کسی کی ملکیت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کچھ مدّت کے لئے فائدہ حاصل کرنے کے لئے عطا فرمایا ہے (متاعٌ اِلٰی حِیْنٍ) نہ کہ اس پر سانپ بن کر بیٹھ جانے کے لئے۔

حق زمیں را جز متاعِ ما نگفت
ایں متاعِ بے بہا مُفت است مفت
دہ خدایا! نکتہ ازمن پذیر
رزق و گور از وے بگیر۔ او را مگیر
باطن الارض للّٰہ ظاہر است
ہرکہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است
رزق خود را از زمیں بردن رواست
ایں متاعِ بندہ و مِلکِ خدا است

اور ایک زمین ہی کے متعلق نہیں۔ بلکہ رزق کے جس قدر چشمے مبداءِ فیض کی کرم گستری سے حضرتِ انسان کو مفت عطا ہوئے ہیں، قرآنِ کریم انہیں ہر ایک کے لئے یکساں طور پر کھلا رکھتا ہے تاکہ ہر شخص اپنی محنت کے مطابق اس سے متمتع ہو۔ فرمایا۔

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ۔ (41/10)

اور (اللہ نے) زمین کی سطح پر پہاڑ پیدا کئے۔ اور اس میں (ایسی چیزیں پیدا کیں جو موجب) برکات ہیں۔ اور اس میں چار فصلوں میں خوراک کے سامان پیدا کئے (ان سب کے دروازے) ہر متلاشی کے لئے یکساں طور پر کشادہ ہیں۔

☆

(2) دفائن و خزائن:- قرآنِ کریم انسان کو اس کی محنت کے ماحصل کا مالک قرار دیتا ہے لیکن اس کی اجازت کبھی نہیں دیتا کہ دولت کے انبار ایک جگہ جمع کر کے رکھ لئے جائیں کیونکہ دولت کے تو معنی ہی "گردش کرنے" کے ہیں۔ جب وہ گردش Circulation سے رک جائے تو دولت نہیں رہتی۔

نوعِ انسانی کے لئے عذاب بن جاتی ہے۔ اسی لئے دولت کو روک رکھنے والوں کے لئے سخت وعید آئی ہے۔ ایک جگہ فرمایا:

"کس قدر بدبختی ہے اس کے لئے جو دولت کو جمع کرتا ہے اور پھر اسے گنتا رہتا ہے (کہ اس میں کتنا اضافہ ہوا)۔ کیا یہ سمجھتا ہے کہ یہ دولت اس کے پاس ابدا الاباد تک رہے گی؟ کبھی نہیں ! بللکہ یہ تو اسے ایک ایسے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والے جہنم میں لے جائے گی جس کی آگ کے شعلے دلوں کو لپیٹ لیتے ہیں"۔ (104/206)

دوسری جگہ فرمایا:

"جو لوگ چاندی اور سونے کے دفینے بنا رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں ایک درد ناک عذاب کی بشارت دیجئے۔ جس دن ان سکوں کو آگ میں تپایا جائیگا اور ان سے ان کی پیشانی اور پہلو اور کمر کو داغ دیا جائے گا (اور کہا جائے گا کہ ہاں !) یہ ہے وہ دولت جسے تم نے اپنے لئے روکے رکھا تھا۔ سو اب اس روکنے کا مزہ چکھو"۔ (9/34-35)

☆

(3) **روپیہ کی گردش**:- دنیا میں آج دولت کی اس قدر فراوانی ہے کہ ازمنۂ سابقہ میں اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ لیکن بایں ہمہ دنیا میں جس قدر بھوک اور افلاس آج ہے۔ اس کی بھی کہیں نظیر نہیں ملتی۔ ماہرینِ اقتصادیات اس کی وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ روپیہ کی گردش Circulation صرف اُوپر کے طبقہ میں رہتی ہے۔ روپیہ نیچے نہیں اترتا۔ قرآنِ کریم نے آج سے چودہ سو برس پیشتر جب دنیا معاشیات کے جدید اصولوں سے بالکل بے خبر تھی کس قدر واضح الفاظ میں فرما دیا کہ روپیہ کی گردش اس انداز سے مت کرو کہ **كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاۤءِ مِنْكُمْ**۔ (59/7) وہ تمہارے اُمراء کے طبقہ میں ہی گردش کرتا رہے۔

☆

(4) **سُود**:- پھر آج دنیا کی مہیب ترین لعنتوں میں سے سب سے بڑی لعنت سُود ہے۔ یعنی روپیہ اگر کسی ایسی جگہ سے جہاں وہ بلا ضرورت پڑا ہے۔ ایسی جگہ آتا ہے جہاں اس کی احتیاج ہے تو وہ سُود کی لعنت اپنے ساتھ لاتا ہے۔ ضابطۂ خداوندی کی رُو سے سُود وہ جُرمِ عظیم ہے کہ اسے "خدا و رسول کے خلاف اعلانِ جنگ" قرار دیا گیا ہے۔ (2/279)

از ربا آخر چہ می زائد؟ فتن !
کس نداند لذتِ قرضِ حسن
از ربا جاں تیرہ۔ دل چوں خشت و سنگ
آدمی درندہ بے دندان و چنگ

☆

(5) **ٹیکس**:- دولت کی عام گردش کے بعد بھی اگر کوئی روپیہ کسی کے پاس اپنی ضرورت سے زائد بچ جائے تو اس پر ٹیکس عائد کیا جائیگا تاکہ وہ مرکز میں جمع ہو کر ضرورت کے مقامات پر صرف کیا جائے۔ یہ چیز غور طلب ہے کہ حکومتِ الٰہی میں ٹیکس بچت Savings پر لگتا ہے۔ آمدنی Income پر نہیں لگتا۔ یعنی آمدنی میں سے خرچ منہا کر کے جو کچھ باقی بچ جائے اس پر ۔ اور جہاں تک خرچ کا تعلق ہے۔ اس پر اسراف اور تبذیر۔ یعنی ضرورت سے زیادہ خرچ

اور بلا ضرورت خرچ پر وعید کی حدود بندی عائد کر کے انسان کو متوسّط طرزِ زندگی کا عادی بنا دیا۔ پھر اس معیّنہ مقدار کے ٹیکس (زکوٰۃ) پر ہی اکتفا نہیں۔ بلکہ عام خیرات اس سے الگ ہے۔

اور ان تمام امور کے علاوہ یہ بھی فرما دیا کہ اگر کسی وقت ملّت کو ضرورت پڑے تو جو کچھ موجود ہو وہ سب حاضر کر دیا جائے۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۙ قُلِ الْعَفْوَ (2/219)

پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کیا صرف کیا جائے۔ کہدیجئے کہ جو کچھ بھی ضرورت سے زائد ہو (وہ سب)

اور پھر یہ جو کچھ خرچ کیا جائے گا نہ کسی کو دکھانے کے لئے۔ نہ نام کی شہرت کی خاطر۔ نہ دنیاوی عزّ و جاہ کے لئے نہ دل پر تنگی اور بوجھ محسوس کر کے۔ بلکہ خالصاً لوجہ اللہ۔ ہنسی خوشی۔ دل کی خوشنودی سے۔ اس لئے کہ اس نظام خداوندی کی رو سے۔

بندۂ مومن امیں۔ حق مالک است
غیرِ حق ہر شے کہ بینی مالک است

مومن کی جان۔ اس کا مال۔ ایک فروخت شدہ چیز ہے۔ یوں سمجھئے جیسے کوئی شخص ایک چیز خرید کر اسے کچھ وقت کے لئے بیچنے والے کے پاس بطور امانت رہنے دے کہ جب اسے ضرورت ہو گی۔ لے لیگا۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ

یقیناً مومن کی جان اور اس کا مال تو بعوض جنت اللہ کے پاس فروخت شدہ ہیں جس وقت اصل مالک کو ضرورت ہو گی۔ اس امین کو یہ چیزیں اس کے حوالے کرنی ہوں گی۔

☆

(6) وراثت :- اور اگر ان تمام حالات کے بعد بھی کسی کے پاس کچھ بچ جائے تو اس کی وفات پر وہ ایسے چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے کہ دولت کسی ایک مقام پر مرکوز نہیں ہونے پاتی۔ اور ہر شخص اپنی محنت سے رزق حاصل کرتا ہے۔ انگلستان کا قانونِ وراثت نہیں کہ بڑے بیٹے کو باپ کی سب جائداد وراثت میں مل جائے اور وہ نہایت آسانی سے "لاٹ صاحب" بن جائے اور اسی باپ کے دوسرے بچے بھوکے مرتے پھریں۔ یعنی اعلیٰ اور ادنیٰ طبقہ کی وہی تقسیم جو ان کے اقتصادی نظام کے ہر شعبہ میں کارفرما ہے۔ قانونِ وراثت کو بھی محیط ہے۔ قانونِ خداوندی میں یہ تفریق خود بہ خود مٹ جاتی ہے۔

☆

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے حکومتِ الٰہی کے اس شعبۂ نظام کے متعلق اشارات پر اکتفا کیا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی طویل ہے۔ لیکن اس نظام کا عملی اور زندہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو اس نظام کی حفاظت میں لے آتا ہے وہ کبھی بھوکا نہیں سو سکتا۔ وہ کسی کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ اس کے رزق کی ذمہ داری اس نظام پر عائد ہو جاتی ہے۔ اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس عہد کے کیا معنی ہیں کہ :

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (11/6)

روئے زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں جس کے رزق کا ذمہ اللہ نے نہ لیا ہو۔

دیکھنے کو تو یہ آیتِ مقدّسہ ایک چھوٹا سا جملہ ہے۔ لیکن غور فرمایئے کہ اس کے اندر نظامِ انسانیت کا کس قدر مہتمم بالشان اصول کارفرما ہے۔ کیا انسان اپنے دماغ سے کوئی ایسا نظام وضع کر سکا ہے جس میں صرف انسان ہی نہیں بلکہ ہر جاندار کے رزق کی ذمہ داری اس نظام نے اپنے سر لے لی ہو؟ انسانی حکومت کی تاریخ کے کسی دور میں بھی آپ کو یہ چیز نہیں ملے گی۔ سب سے پہلی مرتبہ اس کا اعلان حکومتِ اِلٰہیہ کی طرف سے ہی ہوا اور اس نے ہمیں بتایا کہ۔

کس نماند درجہاں محتاج کس
نکتہء شرعِ مبینؐ این است و بس

یہ چیز آپ کو صرف اسی نظام میں ملے گی کہ اُمّت کا بلند ترین فرد۔ امیرالمومنین۔ روٹی کا ایک لقمہ اپنے منہ میں نہیں ڈال سکتا جب تک اسے پورا اطمینان نہ ہو جائے کہ جس حلقہ کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ فرد پیٹ بھر کر سکھ کی نیند سو گیا ہے۔ آج انسان کی حالت یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ پر ضابطہء خداوندی کی بجائے اپنے خود ساختہ ضوابط کو مسلط کر رکھا ہے اور جب اس نظام کے نتائج۔ بھوک' افلاس' ذلت و نکبت۔ پریشانی و تباہ حالی کی شکل میں سامنے آتے ہیں تو اس کا الزام خدا پر دھرتا ہے اور ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اس کے بعد ان مصائب کا حل پھر کسی اپنے ہی متعین کردہ نظام میں تلاش کرتا ہے حالانکہ اگر وہ اپنے آپ کو خدا کے نظام کے حوالے کر دے تو پھر دیکھئے کہ یہ تمام مشکلات کس طرح خود بہ خود آسان نہیں ہو جاتیں؟ نظام اپنے اُوپر مسلط کر لینا طاغوتی اور نتائج تلاش کرنے ملکوتی! اگر کھلی ہوئی جہالت نہیں تو اور کیا ہے! زلزلہ میں بوسیدہ مکان کے اندر پناہ لینے والے کا انجام ہلاکت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ ذرا خدا کی چھت کے نیچے آیئے اور پھر دیکھئے کہ وہ آپ کی حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہے یا نہیں!

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا

(2/256)

جو غیر خدا (کے سرکش نظام) سے منہ موڑ کر اللہ پر ایمان لے آتا ہے تو اسے ایک ایسا محکم اور پائیدار سہارا مل جاتا ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔

یہ "پائیدار سہارا" وہ نظامِ خداوندی ہے جس کے بعد دنیا کے کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ انسان کی کیفیت بدل دیتا ہے اس جہان کی کیفیت بدل دیتا ہے۔

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چُودیگر شد۔ جہاں دیگر شود

☆

(7) قوت (Power) :-اس عالمِ کَون و فساد میں دوسرا انسانیت سوز فتنہ قوت کا غلط استعمال ہے۔ قوت درحقیقت دولت ہی کے عملی نتیجہ کا نام ہے۔ سرکشی و تمرّد۔ استبداد و فرعونیت بلا گنجِ قارون کہاں پنپ سکتی ہے۔ پھر جس طرح دولت بجائے خویش بُری چیز نہیں بلکہ اس کا غلط استعمال ہلاکت آفریں ہے اسی طرح قوت کے اندر بھی بجائے خود کوئی خرابی نہیں۔ البتہ اس کا بیجا استعمال تباہی و بربادی کا ایسا بلا انگیز طوفان پیدا کرتا ہے کہ

اس سیلِ سبک سَیرو زمیں گیر کے آگے
عقل و نظر و علم و ہنر ہیں خس و خاشاک

حکومتِ الٰہی میں قوت پر ایسی پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں کہ وہ ایک سرکش طوفان بننے کے بجائے ساحلوں میں جکڑا ہوا دریا بن جاتی ہے۔ جس سے ہزار قسم کے فائدے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ نظامِ خداوندی میں قوت، ظلم و ستمگری کے لئے نہیں بلکہ ظالم و قہرمان کا جَور و ستم روکنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ وہ غاصب و سفاک کی شمشیرِ بے نیام نہیں بنتی بلکہ مظلوم و ستم رسیدہ کے لئے سپر کا کام دیتی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ قوت۔

لادیں ہو تو ہے زہرِ ہلاہل سے بھی بڑھ کر
ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاق

☆

آزادئ مذاہب :- تاریخ عالم اس پر شاہد ہے کہ استبداد کا آہنی پنجہ سب سے پہلے حرّیتِ فکر و آزادئ مذاہب کے گلے پر پڑتا ہے۔ ساحرینِ فرعون نے جب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ حق و صداقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے تو انہوں نے بلا تامّل اپنے ایمان کا اعلان کر دیا۔ اس پر فرعون کی آنکھوں سے جلال کے شرارے نکلنے لگے۔ غضب و انتقام کا سیلاب جوش میں آگیا۔ قوت کے نشہ میں بھر کر بولا۔

اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ۔ (20/71)

ہیں ! تم اس پر میری اجازت کے بغیر ہی ایمان لے آئے؟ اب دیکھو کہ میرا انتقام کیا کرتا ہے ! ابھی تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تمہیں سُولی پر لٹکاتا ہوں !

یہ صرف ایک واقعہ ہے۔ دنیا کی تاریخ کے ایک ایک ورق پر اس قسم کے واقعات خون کے حروف سے لکھے ملتے ہیں۔ لیکن یہ اعلان آپ کو حکومت الٰہی کے دربار سے ہی ملیگا کہ

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔ (2/256)

دین کے معاملہ میں کسی قسم کا جبر نہیں۔ ہدایت اور گمراہی واضح ہو چکی ہے۔

اس لئے

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (18/29)[7]

جس کا جی چاہے ایمان لے آئے۔ جس کا جی چاہے اس سے انکار کر دے۔

حکومتِ خداوندی میں مذہب کے معاملہ میں صرف آزادی ہی نہیں بلکہ وہاں تو ایک قدم اور آگے بڑھا جاتا ہے۔ مسلمان صاحبِ قوت و اختیار ہوں تو ان پر لازم آتا ہے کہ بوقتِ ضرورت دیگر اہلِ مذاہب کی پرستش گاہوں کی حفاظت کریں۔ اس لئے کہ

لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا"۔ (22/40)

اگر اللہ۔ بعض انسانوں (کی قوت) کے ذریعے دوسرے انسانوں (کی سرکشی) کی روک تھام نہ کرے تو زہاد کے خلوت خانے۔ نصاریٰ کے گرجے۔ اور یہودیوں کے صومعے سب منہدم ہو جائیں۔

☆

عدل و انصاف :- پھر یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی دوسری قوم تمہارے ساتھ دشمنی کرے تو تم ان کے بارے میں عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ یہ نہ ہو کہ ان کی عداوت کی بنا پر تمہارے دل میں جو انتقام کے جذبات پیدا ہوں ان جذبات کی تسکین

کے لئے تم بے انصافی پر اتر آؤ۔

لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا (5/8)

کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم ان سے بے انصافی کرنے لگو۔ **انصاف کرو!**

آپ اقوامِ گذشتہ کی تاریخ کے اوراق اُلٹ جائیے۔ سیاستِ عصرِ حاضرہ پر گہری نگاہ ڈالئے۔ اور دیکھئے کہ کہیں کسی ایک جگہ بھی آپ کو یہ بلند اصول دکھائی دیتا ہے؟ کیا انسانوں کے وضع کردہ نظام و دستور میں یہ ممکن ہے کہ معاندت و عداوت کا جواب عدل و انصاف سے دیا جائے۔ اور آگے بڑھیئے۔ دشمن برسرِ پیکار ہے اس کی قوم کا کوئی فرد آپ سے پناہ کا طالب ہے۔ ارشاد ہے کہ "اسے پناہ دو۔ خدا کا کلام سناؤ۔ اس کے بعد اگر وہ اپنے ہاں واپس جانا چاہے تو اپنی حفاظت میں اسے اس کی جائے امن تک پہنچا دو" (9/6)

خدا کی حکومت میں جنگ، فتنہ و فساد کے استیصال کی خاطر ہے نہ کہ فتنہ و فساد پھیلانے کی غرض سے۔ اگر مقصد محض تسخیرِ ممالک ہو۔ جوع الارض کی تسکین ہو۔ تو وہ جنگ سلطنت کی جنگ ہو جاتی ہے۔ جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا---- لیکن اگر جنگ کی غرض جور و استبداد کے بجائے حکومتِ الٰہی کا قیام ہو کہ جس میں انسانیت کو صحیح آزادی حاصل ہوتی ہے۔ تو یہ جنگ عین منشائے فطرت کے مطابق ہوتی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ایک زہر آلود۔ مہلک ناسور کا اپریشن مریض پر ظلم ہے۔

صلح۔ شر گردد۔ چو مقصود است غیر
گر خدا باشد غرض۔ جنگ است خیر
گر نہ گردد حق زتیغ ما بلند
جنگ باشد قوم را نارجمند

جب قوت و اختیار ضابطۂ خداوندی کے ماتحت حاصل ہوتا ہے تو وہ جماعت جو قوانینِ الٰہی کے نافذ کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اس انداز کی ہوتی ہے کہ

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (22/41)

وہ لوگ جب متمکن فی الارض ہوتے ہیں تو اس لئے کہ خدا کی عبادت کو مستحکم کریں (غریبوں کی امداد کی خاطر) زکوٰۃ دیں۔ ہر جگہ عدل و انصاف (نیک امور) کا حکم جاری کریں۔ اور ظلم و تشدد کی (بری باتوں) کی روک تھام کریں۔

اس جماعت کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ

عادل اندر صلح و ہم اندر مصاف
وصل و فصلش لا یراعی لا یخاف

نہ وہ کسی کے بیجا رعایت کرتے ہیں۔ نہ کسی سے ڈرتے ہیں ان کی صلح اور دشمنی دونوں حق و انصاف پر مبنی ہوتی ہیں۔

یہ ہے اجمالی سا خاکہ اُس حکومت کا جس کے قیام کے بعد انسان وحشت و درندگی، بہیمیت و بربریت کی زندگی چھوڑ کر صحیح "انسانیت" کی زندگی اختیار کر لیتا ہے۔ اور پھر وہ ارتقائی منازل طے کرتا ہے جن کے بعد وہ اس نصب العین تک پہنچ سکتا ہے جس کا حصول اس کی تخلیق کا مقصد ہے۔

وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

واضح رہے کہ خدا کی یہ بادشاہت محض تخیلات کی دنیا تک محدود نہیں بلکہ خدا کے بندوں نے اس بادشاہت کو دنیا میں قائم کر کے دکھا دیا۔

پوچھئے چشمِ فلک سے کہ اس نے اس نظارہ کو دیکھا ہے یا نہیں؟

اس مقام پر عام طور سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر یہ نظام اس قدر فطرتِ انسانی کے مطابق تھا اور ایسے درخشندہ نتائج کا حامل تو پھر یہ زیادہ دیر تک قائم کیوں نہ رہا۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظام قابلِ عمل نہیں ہے۔ محض نظری ہے۔

اس اعتراض کا جواب ہمیں قرآن کریم کے قصۂ آدم میں ملتا ہے۔ حضرت آدم کو جنت میں رکھا جاتا ہے اور اس طرح بتا دیا جاتا ہے کہ تمہاری زندگی کا منتہا یہ مقام ہے۔ اس کے بعد ہبوطِ آدمؑ ہوا۔ وہ جنت کی زندگی سے اس دنیاوی زندگی کی طرف منتقل ہو گئے۔ لیکن انہیں اس کے ساتھ ہی واضح طور پر بتا دیا گیا کہ اس نصب العین تک پہنچنے کے لئے یہ صراطِ مستقیم ہے اور اس پر اس انداز سے چلنے سے تم منزلِ مقصود تک پہنچ سکتے ہو۔ اس راستہ میں پُر خطر مقامات آئیں گے۔ مہیب غار آئیں گے۔ مصائب و مشکلات کا سامنا ہو گا۔ آزمائش کی گھاٹیاں آئیں گی۔ لیکن

فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

جو ہماری ہدایت کی اتباع کریگا اسے کسی قسم کا خوف و حزن نہیں ہو گا۔

جب انسان اس طرح جدوجہد میں پختہ ہو کر اور تمام ارتقائی منازل طے کر کے اپنے آپ کو جنّت کی زندگی کے قابل بنا لے گا۔ تو پھر اسی مقام پر پہنچ جائے گا جو اسے شروع میں بطور نصب العین بتایا گیا تھا۔ اس واقعہ میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جنت کی زندگی محض ایک نظری چیز تھی۔ اگر فطرتِ انسانی کے مطابق یا قابلِ عمل ہوتی تو آدم ہمیشہ کے لئے وہیں کیوں نہ رہتے۔

یہی کیفیت امت محمدیہؐ کی ہے۔ اس دنیا میں جس قسم کا نظامِ انسانی زندگی کا منتہی۔ اور اس کی فطرت کے مطابق اس کا صحیح نصب العین ہے۔ اسے اس دنیا میں قائم کر کے انسان کو دکھا دیا کہ یہ ہے منزلِ مقصود۔ (فرق اتنا تھا کہ آدم کو جنت کی پہلی زندگی بلا کسب و عمل عطا ہوئی تھی۔ لیکن اسلامی نظام اس جماعت کے ایمان و عمل کا نتیجہ تھا جو اس کے لئے تیار کی گئی تھی۔ اور جس نے آنے والے انسانوں کو بتا دیا کہ یہ نظام محض نظری نہیں بلکہ عملی شکل میں قائم کیا جا سکتا ہے)۔ اس کے بعد "ہبوطِ آدم" ہوا۔ اور آنے والی نسلوں کو بتا دیا گیا کہ یہ تھا تمہارا نصب العین۔ اس نصب العین تک پہنچنے کے لئے مسلسل جدوجہد کرنی پڑے گی۔ مختلف ارتقائی مراحل سے گذرنا ہو گا۔ اور جب اس طرح انسان اپنے اندر پختگی پیدا کر کے (بچپن سے جوانی تک پہنچ کر) اس نظامِ زندگی کے قیام و بقا کا اہل بن جائیگا تو وہ نظام پھر سے قائم ہو جائیگا۔ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ انسانیت خود بخود ارتقائی منازل طے کرتی، گرتی پڑتی، اس نصب العین کی طرف بڑھتی آ رہی ہے۔ اور بڑے بڑے ناکام تجارب کے بعد تسلیم کرتی جا رہی ہے کہ فی الحقیقت فطرتِ انسانی کے مطابق وہی نظام ہے جسے آج سے چودہ سو سال پیشتر بطور نصب العین دکھایا گیا تھا۔ انسانوں کو راستہ دکھا دیا گیا ہے اور خدا کا مکمل اور آخری ضابطہ، قرآنِ کریم، ان کے پاس موجود ہے اب اس تمام تگ و تاز کے بعد جب انسان اس نصب العین تک پہنچے گا تو اس وقت اس نے علم و عقل کی ارتقائی منازل سے گذر کر اپنے

آپ کو اس قابل بنا لیا ہو گا کہ اس نظام کو سنبھال سکے۔ اس وقت جنتِ اُخروی کی طرح اس جنتِ ارضی کے متعلق بھی کہا جائیگا کہ:
وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ أُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ (43/74)
یہ ہے وہ جنت جو تمہیں تمہارے اعمال کے بدلے دی گئی ہے۔

آں بہشتے کہ خدائے تبو بخشد ہمہ ہیچ
تاجزائے عملِ تست جناں چیزے ہست!

☆

پمفلٹس

مندرجہ ذیل موضوعات پر کتابی سائز میں پمفلٹس دستیاب ہیں۔

ENGLISH :-

1- Genesis And Ideology Of Pakistan
2- Economics In The Social Structure Of Islam
3- Is Islam A Failure?
4- Islamic Ideology

اردو :-

1- اسلامی قوانین کے راستے میں کون حائل ہیں؟
2- اسلامک آئیڈیالوجی
3- کیا اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے؟
4- رحمتہ للعالمینؐ
5- دنیا نظام محمدیؐ کے لئے بیتاب ہے؟
6- کیا ہم آزاد ہیں؟
7- فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟
8- کیسا حسین تھا یہ خواب
9- الصلٰوۃ
10- زکٰوۃ
11- اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟
12- تحریک طلوع اسلام کا مقصد و مسلک
13- حسن کردار کا نقش تابندہ
14- مخلوط انتخابات
15- قیام پاکستان اور علامہ اقبالؒ

قیمت ایک روپیہ فی پمفلٹ علاوہ محصول ڈاک
علاوہ ازیں طلوع اسلام کے مجلد مجلات برائے سال 1966ء تا 1994ء بھی دستیاب ہیں۔

ادارہ طلوع اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ظہور الحق (راولپنڈی)

جو مانگا تھا وہ نہ ملا

گذشتہ برس جب بزم طلوع اسلام راولپنڈی نے شہنائی ہال سیٹلائٹ ٹاؤن میں 14 اگست کو یوم آزادی کی تقریب منعقد کی تو اسی وقت عہد کیا تھا کہ آئندہ جشن نزول قرآن کی تقریب شایاں شان طریقہ سے منائی جائیگی اور اس کے لئے پریس کلب کی جگہ مشروط طور پر طے کر لی گئی تھی۔

جشن نزول قرآن کے سلسلے میں تقریب تو عید الفطر کے فوراً بعد منعقد ہو جانی چاہئے تھی۔ لیکن انہی دنوں پوری قوم کو کرکٹریا ہو گیا' جس کی وجہ سے وہ کسی دوسری جانب دھیان دینے کے موڈ میں نظر نہیں آتی تھی۔ قوم کا تقریباً ہر ہر فرد اس ابتلا میں مبتلا تھا۔ کسی اللہ کے بندے کو اس بات کا ہوش ہی نہ تھا کہ سوچ سکے کہ اس کرکٹریا سے قوم کا وقت اور پیسہ کس طرح برباد ہو رہا ہے۔ ہم سب اس کھیل میں اس قدر مگن تھے کہ نہ کمانے کی فکر اور نہ کھانے کا ہوش۔ ایسے میں اگر ہم جشن نزول قرآن جیسی سنجیدہ تقریب کے انعقاد کی "حماقت" کر بیٹھتے تو انجام معلوم کرنے کیلئے کسی سیانے کے پاس جانے کی ضرورت نہ تھی۔ کہتے ہیں کہ ہٹلر کے زمانہ میں جرمنی میں کرکٹ کھیلا جاتا تھا۔ ایک دفعہ کسی میچ کے متعلق ہٹلر نے دریافت کیا کہ میچ کا کیا نتیجہ برآمد ہوا۔ اسے بتایا گیا کہ میچ ڈرا ہو گیا ہے یعنی نہ کوئی جیتا اور نہ کوئی ہارا۔ ہٹلر اس پر بہت حیران ہوا اور کہا کہ ایسے کھیل کا کیا فائدہ جس سے قوم کی توانائی اور وقت ضائع ہوتا ہو اور نتیجہ کچھ نہ نکلے' اس نے حکم دیا کہ آئندہ جرمن قوم یہ کھیل نہیں کھیلے گی۔ مگر ہمارے ہاں تو کسی کو یہ کچھ سوچنے کی فرصت ہی نہیں۔ میں کھیل کھیلنے کی تنقیص نہیں کر رہا۔ بلکہ قومی وقت۔ مال اور توانائی کے نقصان کی بات کر رہا ہوں۔ کھیل تو ہر فرد کیلئے غذا کی طرح بہت ضروری ہوتا ہے کیونکہ تندرست جسم میں ہی تندرست ذہن پرورش پاتا ہے۔

بات تو جشنِ نزولِ قرآن کی تقریب کے متعلق کرنی تھی' لیکن ذہن قومی نقصان کا ماتم کرنے لگ پڑا۔ خیر آیئے ! اس تقریبِ سعید کے بارے میں بات کرتے ہیں۔ خدا کا شکر کہ ہم اس کی توفیق سے اپنے عہد کے ایفا میں کامیاب ہوئے۔ گو تاخیر ہی سے سہی۔ لیکن اس تاخیر میں بھی خیر کا پہلو نکل آیا۔ یعنی جشنِ نزولِ قرآن کی تقریب کے ساتھ ہی یومِ قرار دادِ پاکستان کی تقریب کی بھی سعادت حاصل ہو گئی۔

حسب پروگرام نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد جلسے کی کاروائی کا آغاز تلاوتِ قرآن پاک سے ہوا۔ یہ سعادت راقم الحروف کے حصہ میں آئی۔ سورۃ الماعون کی آیات کی تلاوت کے بعد راقم نے ان آیات مقدسہ کا وہ مفہوم پیش کیا جو مفہوم القرآن میں پرویزؒ صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ اس مفہوم کے مطابق خداوندِ قدوس نے پہلے تو یہ بتایا ہے کہ تکذیبِ دین کا مطلب کیا ہے اور پھر دین کا مقصد بتایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ظہور الحق (راولپنڈی)

جو مانگا تھا وہ نہ ملا

گذشتہ برس جب بزم طلوع اسلام راولپنڈی نے شہنائی ہال سیٹلائٹ ٹاؤن میں 14 اگست کو یوم آزادی کی تقریب منعقد کی تو اسی وقت عہد کیا تھا کہ آئندہ جشن نزول قرآن کی تقریب شایاں شان طریقہ سے منائی جائیگی اور اس کے لئے پریس کلب کی جگہ مشروط طور پر طے کر لی گئی تھی۔

جشن نزول قرآن کے سلسلے میں تقریب تو عید الفطر کے فوراً بعد منعقد ہو جانی چاہئے تھی۔ لیکن انہی دنوں پوری قوم کو کرکٹریا ہو گیا' جس کی وجہ سے وہ کسی دوسری جانب دھیان دینے کے موڈ میں نظر نہیں آتی تھی۔ قوم کا تقریباً ہر ہر فرد اس ابتلا میں مبتلا تھا۔ کسی اللہ کے بندے کو اس بات کا ہوش ہی نہ تھا کہ سوچ سکے کہ اس کرکٹریا سے قوم کا وقت اور پیسہ کس طرح برباد ہو رہا ہے۔ ہم سب اس کھیل میں اس قدر مگن تھے کہ نہ کمانے کی فکر اور نہ کھانے کا ہوش۔ ایسے میں اگر ہم جشن نزول قرآن جیسی سنجیدہ تقریب کے انعقاد کی "حماقت" کر بیٹھتے تو انجام معلوم کرنے کیلئے کسی سیانے کے پاس جانے کی ضرورت نہ تھی۔ کہتے ہیں کہ ہٹلر کے زمانہ میں جرمنی میں کرکٹ کھیلا جاتا تھا۔ ایک دفعہ کسی میچ کے متعلق ہٹلر نے دریافت کیا کہ میچ کا کیا نتیجہ برآمد ہوا۔ اسے بتایا گیا کہ میچ ڈرا ہو گیا ہے یعنی نہ کوئی جیتا اور نہ کوئی ہارا۔ ہٹلر اس پر بہت حیران ہوا اور کہا کہ ایسے کھیل کا کیا فائدہ جس سے قوم کی توانائی اور وقت ضائع ہوتا ہو اور نتیجہ کچھ نہ نکلے' اس نے حکم دیا کہ آئندہ جرمن قوم یہ کھیل نہیں کھیلے گی۔ مگر ہمارے ہاں تو کسی کو یہ کچھ سوچنے کی فرصت ہی نہیں۔ میں کھیل کھیلنے کی تنقیص نہیں کر رہا۔ بلکہ قومی وقت۔ مال اور توانائی کے نقصان کی بات کر رہا ہوں۔ کھیل تو ہر فرد کیلئے غذا کی طرح بہت ضروری ہوتا ہے کیونکہ تندرست جسم میں ہی تندرست ذہن پرورش پاتا ہے۔

بات تو جشنِ نزولِ قرآن کی تقریب کے متعلق کرنی تھی' لیکن ذہن قومی نقصان کا ماتم کرنے لگ پڑا۔ خیر آیئے ! اس تقریبِ سعید کے بارے میں بات کرتے ہیں۔ خدا کا شکر کہ ہم اس کی توفیق سے اپنے عہد کے ایفا میں کامیاب ہوئے۔ گو تاخیر ہی سے سہی۔ لیکن اس تاخیر میں بھی خیر کا پہلو نکل آیا۔ یعنی جشنِ نزولِ قرآن کی تقریب کے ساتھ ہی یومِ قرار دادِ پاکستان کی تقریب کی بھی سعادت حاصل ہو گئی۔

حسب پروگرام نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد جلسے کی کاروائی کا آغاز تلاوتِ قرآن پاک سے ہوا۔ یہ سعادت راقم الحروف کے حصہ میں آئی۔ سورۃ الماعون کی آیات کی تلاوت کے بعد راقم نے ان آیات مقدسہ کا وہ مفہوم پیش کیا جو مفہوم القرآن میں پرویزؒ صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ اس مفہوم کے مطابق خداوندِ قدوس نے پہلے تو یہ بتایا ہے کہ تکذیبِ دین کا مطلب کیا ہے اور پھر دین کا مقصد بتایا

گیا ہے۔ یعنی تمکن دین کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عالمگیر انسانیت کو سامان نشوونما بلا لحاظ نسل و وطن بہم پہنچتا رہے۔ لیکن جب مفاد پرست رزق کے ان سرچشموں پر جنہیں بہتے پانی کی طرح ہر ایک کی ضروریات کیلئے کھلا رہنا چاہئے بند باندھ کر ان پر اپنا قبضہ جما لیتے ہیں اور اس طرح ضرورت مندوں کو سامان زیست سے محروم کر دیتے ہیں تو ان کے اس عمل کو تکذیب دین کہا جاتا ہے۔ قرآن حکیم کی ان آیات سے ہمارے موجودہ معاشرے کا مکمل نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ سٹیج سیکرٹری صاحب نے ان آیات مقدسہ کے مفہوم پر اپنے تاثرات کا اظہار یوں کیا:

"آپ نے سورۃ الماعون اور اس کا مفہوم سماعت فرمایا۔ اس سورۃ میں نہایت جامعیت کے ساتھ پورے دین کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ اس میں انسانوں کی بھوک' افلاس' بیماری اور جہالت کو دور نہ کرنے والوں کو مکذب دین قرار دیا گیا ہے۔ اگر کوئی فرد اپنی بساط کے مطابق انسداد غربت کیلئے جو کچھ کر سکتا ہے نہ کرے تو اسے بھی مکذب دین قرار دیا جائے گا۔ اگر حکمران ملک سے بھوک' افلاس' بیماری' جہالت اور غربت ختم نہ کریں تو وہ بھی تکذیب دین کے مرتکب ہونگے۔

تحریکِ طلوع اسلام اور بانیٔ تحریک محترم پرویزؒ صاحب کا تعارف گو اب سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے' تاہم اس کی اہمیت کے پیش نظر بزم طلوعِ اسلام لاہور کے نمائندہ جناب محمد عمر دراز صاحب کو زحمت دی گئی کہ وہ اس پر روشنی ڈالیں۔

محترم عمر دراز صاحب نے بتایا کہ ہمارے زمانے میں ہندوستان میں سب سے پہلے سید احمد خان مرحوم نے مسلمانوں کے اس ملّی مرض کی تشخیص کی اور رجعت الی القرآن کا آوازہ بلند کیا۔

اس طرح محسنین ملت اسلامیہ ہندیہ میں سید احمد خان کا نام سرفہرست آتا ہے۔ جنہوں نے مسلمانان ہند کو بالاستمرار یہ باور کرایا کہ تمہاری خواری و زبوں حالی کا واحد سبب یہ ہے کہ تم نے اُس حیات بخش ضابطۂ زندگی کو' جسے خالق کائنات نے اپنے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے یہ کہہ کر نازل فرمایا تھا کہ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (17:9)- (یہ حقیقت ہے کہ یہ قرآن' کاروانِ انسانیت کو سفرِ زندگی میں وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی اور توازن بدوش ہے)' ریشمی غلافوں میں لپیٹ کر' اپنے گھروں کے اندر طاقوں میں سجا رکھا ہے اور اس سے صرف مُردے بخشوانے کا کام لیتے ہو۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی نشأۃِ ثانیہ کے اس نقیبِ اولیٰ نے للکار کر قوم سے کہا کہ جو جی چاہے کر کے دیکھ لو' جب تک تم پھر سے اسی کتابِ عظیم (قرآن) کو اپنا راہ نمائے حیات نہیں بناتے' زمانے میں اپنا مقام نہیں پا سکو گے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے نوجوانانِ قوم کو جدید علوم سے آراستہ کرنے کے لیے ایک مثالی درس گاہ (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) قائم کی جس کے متعلق بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ جس دن 24 مئی 1875ء) یہ قائم ہوئی' اُسی دن مملکتِ پاکستان کی بنیاد کی پہلی اینٹ عملاً رکھ دی گئی۔

سر سید احمد خانؒ کے بعد' قوم کے اُفقِ مقدر پر جو ستارے نمودار ہوئے ان میں علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ' قائداعظم محمد علی جناحؒ اور مفکر قرآن علامہ غلام احمد پرویزؒ سب سے زیادہ تابناک

نظر آتے ہیں۔ علامہ محمد اقبالؒ قوم کے سامنے ترجمانِ قرآن بن کر آتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی مساعی سے، اس (بظاہر) مردہ قوم کی رگوں سے زندگی کے شرارے اُبلنے لگتے ہیں۔ خوابیدہ قوم کو اس طرح جگانے کے بعد حضرت علامہؒ نے ان کی منزلِ مقصود کی نشاندہی اپنے اس خطبہ میں کی جسے انہوں نے 1930ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الٰہ آباد کی آخری نشست میں ارزاں فرمایا۔ اس تاریخی خطبہ کے بعد مسلمانانِ ہند کی جنگِ آزادی کی قیادت کے لیے انہوں نے حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ جیسا دیدہ ور سپہ سالار منتخب کیا۔ حضرت علامہ اقبالؒ کا ملّتِ پاکستانیہ پر یہ ایک ایسا عظیم احسان ہے جس نے مسلمانوں کی اس ملی جنگ میں فتح اور کامرانی کو یقینی بنا دیا۔

حضرت قائداعظمؒ نے قوم کی اس رزمِ موت و حیات میں جس مشّاقی اور حُسنِ تدبّر سے رہبری کی اور جس جانفشانی (جس میں ان کا خون جگر بھی شامل ہے) سے یہ چومکھی لڑائی لڑی، اس کے نتیجہ میں قوم کا سفینۂ حیات ایک حسین بُط کی طرح تیرتا ہوا ساحلِ مراد پر آ لگا۔ 14 اگست 1947ء کی صبح ہماری حیاتِ ملّی کی وہ درخشندہ صبح ہے کہ اس دن جب آفتابِ جہاں تاب نے اپنی چشمِ خوابیدہ وا کی تو اس نے دنیا کے نقشے پر ایک ایسی نئی مملکت کو اُبھرتے دیکھا جس کی بنیادیں ان حسین دعاوی کے ساتھ رکھی جا رہی تھیں کہ اس میں صرف اور صرف اللہ کی حاکمیت قائم کی جائے گی۔

حضرت قائداعظمؒ نے حصولِ پاکستان کی جنگ کی ابتداء کی تو خلافِ توقع انہیں ایک ایسے محاذ پر بھی شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا جو اُن کا دائرہ عمل نہ تھا۔ یہ محاذ تھا نیشنلسٹ علماء کا، جو ہندو کانگریس کے وظیفہ خور ہونے کا حق ادا کرنے میں، قوم کو اس کے ہاتھ بیچ ڈالنے تک تیار تھے۔ چونکہ، جیسا کہ ابھی ابھی بتایا گیا ہے کہ یہ محاذ قائداعظمؒ کے اپنے دوائرِ عمل سے باہر تھا، اس لیے انہوں نے اس محاذ کی ذمہ داری مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبالؒ کے ایماء پر (اس وقت کے) چوہدری غلام احمد پرویزؒ کے سپرد کی۔

مفکرِ قرآن علامہ غلام احمد پرویزؒ نے جس طرح اس محاذ کو سنبھالا اور جس طرح اپنے قائدؒ کو انگریز اور ہندو سے نپٹنے کے لیے فرصت مہیا کی، اس پر 1938ء تا 1942ء کے ماہنامہ طلوع اسلام کے فائل شاہد ہیں، جس کا اجراء اسی مقصد کے حصول کے لیے کیا گیا تھا۔

واضح رہے کہ محترم پرویزؒ صاحب نے یہ سب کچھ اپنی ملازمتی مصروفیتوں اور تصنیفی کاوشوں کے ساتھ ساتھ کیا۔ اس سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے کس طرح شبانہ روز بھرپور جدّوجُہد کی ہو گی۔ جون 1942ء کے بعد نامساعد حالات کی بناء پر ماہنامہ طلوع اسلام کی اشاعت رک گئی، لیکن اس سے ان کی تحریکِ پاکستان کے سلسلہ میں سرگرمیوں میں چنداں کمی واقع نہیں ہوئی، بلکہ اس سے ان کو موقع ملا کہ وہ حضرت قائداعظمؒ کے نسبتاً زیادہ قریب ہو گئے اور دینی معاملات میں ان کے ذاتی مشیر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ حضرت قائداعظمؒ کے اس زمانے کے خطابات میں ایک حقیقت واضح طور پر سامنے

آتی ہے کہ انہوں نے ہر جگہ اور ہر موقع پر قرآنِ کریم اور صرف قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کرنے پر زور دیا ہے۔ یہ درحقیقت قومی یک جہتی کی وہ واحد اساس ہے جو قائداعظمؒ کی زبان سے قوم تک پہنچتی رہی اور جو مفکرِ قرآن کا اصل سرمایۂ حیات ہے۔

مفکر قرآن علیہ الرحمہ نے تحریکِ حصول پاکستان کے دوران اپنے بے مثال قائد کا جس غایت درجہ کا اعتماد حاصل کیا' اس کی ایک جھلک اس خط سے ملتی ہے جو حضرت قائداعظمؒ نے 14 جون 1947ء کو انہیں ان کے قیام پاکستان کے اعلان کے بعد مبارک باد کے طور پر لکھے گئے خط کے جواب میں تحریر کیا تھا۔ حضرت قائداعظمؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

ڈیئر مسٹر پرویز۔
میں آپ کے خط مرقومہ 13 جون کے لئے آپ کا شکر گذار ہوں۔ کیا آپ براہ کرم مجھے ان لوگوں کے نام مہیا کریں گے آپ کے خیال میں جو ہماری مستقبل کی سیکریٹریٹ کے سچے خادم ہو سکتے ہیں۔
(محمد علی جناح)

مفکرِ قرآن علیہ الرحمہ کی تحریکِ حصول پاکستان کے دوران ان گراں قدر خدمات کو ایک منصوبے کے تحت منظر عام پر نہیں آنے دیا گیا لیکن جب 1987ء میں حکومتِ پنجاب نے کارکنانِ تحریک پاکستان کی خدمات کے اعتراف کی غرض سے ایک الگ شعبہ قائم کر کے انہیں تحریکِ پاکستان کا طلائی تمغہ دینے کی ابتدا کی تو یہ امکان پیدا ہوا کہ پرویزؒ صاحب کی ان خدمات کا بھی اعتراف کیا جائے گا۔ چنانچہ 14 اگست 1989ء کو منعقدہ تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل ایوارڈ کی تقریب میں محترم پرویزؒ صاحب کی خدمت میں بھی تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل بعد از وفات پیش کیا گیا۔ اس وقت جو Citation پڑھ کر سنائی گئی اس کا ایک حصہ یوں تھا۔

"علامہ پرویزؒ 38-1937ء سے حضرت قائداعظم علیہ الرحمہ کے' تحریکِ پاکستان کی دینی اساس کے موضوع پر ذاتی مشیر کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔ یہی وہ واحد شخصیت تھی جنہیں حضرت قائداعظمؒ سے پیشگی وقت لئے بغیر ان کی خدمت میں کسی وقت بھی باریابی کا شرف حاصل رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ قائداعظمؒ نے قرآنی ہدایات سامنے آجانے کے بعد ہمیشہ انہی کے مطابق عمل کیا۔ پرویزؒ صاحب ان معدودے چند دانشوروں میں شامل ہیں جنہوں نے بقول پیر علی محمد راشدی' پاکستان کی سکیم کی تیاری میں مدد کی تھی"۔

پاکستان بن گیا تو مخالفِ پاکستان علماء ہجوم کر کے پاکستان آگئے (ماسوائے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور مولانا حسین احمد مدنی مرحوم) اور اپنے شکست پندار کے انتقام کے طور پر جناب غلام احمد پرویزؒ کے خلاف' جنہوں نے اب اپنے اوپر یہ ذمہ داری لے رکھی تھی کہ قوم کو بتائیں کہ اس قرآنی نظام کے خط و خال کیا ہیں جس کے قیام کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا' صف آرا ہو گئے اور ان وسیع ذرائع ابلاغ کو بروئے کار لاتے ہوئے' جو انہیں بآسانی میسر تھے' اس زور و شور اور تسلسل و تواتر سے پراپیگنڈا کیا کہ آپ کا نام تک انتہائی رد

عمل کا سبب بنتا گیا۔ لیکن جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ط (21:18)

"حق کی تعمیری قوتیں، باطل کی تخریبی قوتوں پر برابر ضرب کاری لگاتی رہتی ہیں اور اس طرح ان کا سر کچل کر رکھ دیتی ہیں اور باطل شکست کھا کر بھاگ جاتا ہے"

اور

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ○ (17:81)

"ان سے کہہ دیجئے کہ نظام حق و صداقت کا دور آگیا ہے اور باطل کی تخریبی قوتوں کا دور ختم ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ تخریبی قوتیں صرف اس وقت تک باقی رہتی ہیں جب تک حق و صداقت کی تعمیری قوتیں برسر عمل نہ آئیں۔ ان کی موجودگی میں تخریبی قوتیں ٹھہر نہیں سکتیں"۔

جناب غلام احمد پرویزؒ این و آں سے بے نیاز، زندگی بھر اپنے اُوپر عائد ہونے والے فریضہ کی ادائیگی میں قرآنِ خالص کی تعلیم عام کرتے رہے اور مخالفت کے بادل چھٹتے چلے گئے۔ وہ اپنی زندگی کے آخری سانس تک قرآن کریم ہی کا پیغامِ حیات آور بنی نوعِ انسان تک پہنچاتے رہے، تاآنکہ 24 فروری 1985ء کی شام وہ اپنی حیاتِ آخرت کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ ان کی پھیلائی ہوئی قرآنِ خالص کی تعلیم اب برگ و بار لا رہی ہے اور یورپی ممالک کی طرح، پاکستان میں بھی فکر پرویزؒ پر یونیورسٹیوں کی اعلیٰ ڈگریوں کے لئے مقالات لکھے جانے لگے ہیں۔

تعارفی سلسلہ ختم ہوا تو سٹیج سے پھر آواز گونجی "معزز خواتین و حضرات اب آپ مرحوم پرویزؒ صاحب کا ٹیپ شدہ خطاب سماعت فرمائیں گے جس کا عنوان ہے " جو مانگا تھا نہ ملا۔ جو نہ مانگا وہ ملا" اس اعلان کے فوری بعد قیصر نثار نے ٹی۔ وی سیٹ آن (on) کر دیئے اور ہال پر جو اب کھچا کھچ بھر چکا تھا مکمل خاموشی چھا گئی اور سامعین، پرویزؒ صاحب کے خطاب کی سماعت کے لئے ہمہ تن گوش ہو گئے۔ پرویزؒ صاحب نے قرآن حکیم کی روشنی میں بتایا کہ آزادی اور اسلام لازم و ملزوم ہیں۔ اگر اسلامی نظام کو نافذ کرنا ہو تو اس کے لئے اپنی آزاد اور خود مختار زمین کا ہونا لابدی ہوتا ہے۔ اور اگر اپنی آزاد و خود مختار زمین (مملکت) نہ ہو تو اسلام کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے سورۃ الحج (21/41) کا حوالہ دیتے ہوئے قرآنی آیت کا مفہوم بتایا کہ "یہ وہ لوگ ہیں (یعنی جماعت مومنین) کہ جب انہیں حکومت ملے گی تو اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا انصرام کریں گے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کا فریضہ ہو گا" انہوں نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ مذہبی سطح پر اسلام سے مقصود یہ ہے کہ انسان خدا کی عبادات (نماز روزہ وغیرہ) کرے اور اس کے لئے اپنی آزاد مملکت کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ یہ ہر جگہ ہو سکتی ہے، لیکن قرآن کریم دین کے تمکن کیلئے استخلاف فی الارض ضروری قرار دیتا ہے۔ پرویزؒ صاحب نے آزادی کے حوالے سے مرحوم سرسید احمد خانؒ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے مسلمانوں کی زبوں حالی اور پستی کا بالکل صحیح تجزیہ کیا تھا کہ مسلمان نے قرآن خالص کو پس پشت

ڈال دیا اور اسے ریشمی غلافوں میں چھپا رکھا تو مسلمان غلامی کی لعنت میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے مسلم قوم کے نوجوانوں کو بیدار کرنے کیلئے جدید تعلیم پر زور دیا اور اس کے حصول کیلئے علی گڑھ میں تعلیمی درسگاہ کے قیام کیلئے جو جو کوششیں کیں وہ تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔ سرسیدؒ نے اس علمی درسگاہ کیلئے دوستوں سے چندے مانگے۔ نمائش میں کتابوں کی دکان خود لگائی حتیٰ کہ سٹیج پر غزل گا کر بھی چندہ اکٹھا کیا کہ کسی طور مسلمانوں کیلئے یہ علمی درسگاہ بن جائے۔ ہندو نے تو اس کی مخالفت کرنی ہی تھی' علمائے کرام نے بھی اس سلسلے میں اس قدر مخالفت کی کہ اس محسنِ قوم و ملت پر کفر کے فتوے تک عائد کر دیئے۔ ہمارے ان علمائے کرام کا کہنا یہ تھا کہ ہمیں ہندو سے مل کر انگریز کی غلامی سے نجات حاصل کرنا چاہئے کیونکہ انگریز کے ہندوستان چھوڑ جانے کی صورت میں ہندو ہمیں اسلام پر عمل کرنے کی مکمل ضمانت دیتا ہے۔ ان علمائے کرام کے نزدیک اسلام کی آزادی صرف اور صرف نماز۔ روزہ۔ حج اور انفرادی طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی تک محدود تھی۔ اس ضمن میں پرویزؒ صاحب نے حضرت علامہ اقبالؒ اور مرحوم مولانا حسین احمد مدنیؒ کے درمیان مکالمات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اقبالؒ کے نزدیک آزادی کا مفہوم صرف یہ نہیں تھا کہ ہم انگریز کی غلامی سے آزاد ہو جائیں بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ اسلام آزاد ہو اور اسلام کی آزادی کیلئے لا محالہ اپنی آزاد مملکت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے تھے کہ ہمیں جب ہندو ہماری عبادات کی آزادی کی مکمل ضمانت دیتا ہے تو ہمیں الگ وطن کی کیا ضرورت ہے؟ قومیں ان کے نزدیک اوطان سے تشکیل پاتی ہیں نہ کہ دینی نظریہ سے۔ حضرت علامہ اقبالؒ اس زمانے میں مرض الموت میں مبتلا صاحبِ فراش تھے' ایک اتنے بڑے مذہبی عالم کی زبان سے یہ اعلان ان کے قلب حساس پر نشتر بن کر گرا اور ایک آہ بن کر الفاظ کی شکل میں ان کے لبوں تک آگیا۔ انہوں نے فرمایا کہ :

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دین ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود برسرِ منبر کہ ملت از وطن است !
چہ بے خبر زمقامِ محمدؐ عربی است؟

اور پھر دین کے متعلق اسی قطعہ میں بتایا کہ :

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

اس کے بعد جب مولانا مدنیؒ نے اپنا جواب شائع کیا تو حضرت علامہ نے فرمایا کہ "اگر بعض مسلمان اس فریب میں مبتلا ہیں کہ دین اور وطن بحیثیت ایک سیاسی تصور کے یکجاہ رہ سکتے ہیں تو میں مسلمانوں کو بروقت انتباہ کرتا ہوں کہ اس راہ کا آخری مرحلہ اول تو لادینی ہو گا' اور اگر لادینی نہیں تو اسلام کو محض ایک اخلاقی نظریہ سمجھ کر اس کے اجتماعی نظام سے بے پرواہی"۔ علامہ اقبالؒ کے نزدیک انگریز سے آزادی حاصل کر کے ہندو سے تعاون کرنا گویا ایک باطل کو مٹا کر دوسرے باطل کی حمایت کرنا تھی۔ اسی سلسلے میں حضرت علامہ اقبالؒ نے حضرت مولانا مدنیؒ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ "مسلمان ہونے کی حیثیت سے انگریز کی غلامی کے بند توڑنا اور اس کے اقتدار کو ختم کرنا ہمارا فرض ہے۔ لیکن آزادی سے ہمارا

مقصد یہ نہیں کہ ہم آزاد ہو جائیں' بلکہ ہمارا اوّلین مقصد یہ ہے کہ اسلام قائم رہے اور مسلمان طاقتور بن جائے۔ اس لئے میں کسی ایسی حکومت کے قیام میں مددگار نہیں ہو سکتا جس کی بنیادیں انہی اصولوں پر ہوں جن پر انگریزی حکومت قائم ہے۔ ایک باطل کو مٹا کر دوسرے باطل کو قائم کرنا چہ معنے دارد؟ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کلیتہ" نہیں تو ایک بڑی حد تک دارالاسلام بن جائے۔ لیکن اگر آزادیٔ ہند کا نتیجہ یہ ہو کہ جیسا دارا لکفر ہے ویسا ہی رہے یا اس سے بھی بدتر بن جائے تو مسلمان ایسی آزادیٔ وطن پر ہزار مرتبہ لعنت بھیجتا ہے۔ ایسی آزادی کی راہ میں لکھنا۔ بولنا۔ روپیہ خرچ کرنا۔ لاٹھیاں کھانا۔ جیل جانا۔ گولی کا نشانہ بننا سب کچھ حرام اور قطعی حرام سمجھتا ہوں"۔

پرویزؒ صاحب نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ علامہ اقبالؒ نے اپنے صدارتی خطبہ میں 1930ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں دین کے تقاضے کے تحت ایک الگ مملکت کا تصور دیتے ہوئے فرمایا کہ "ہندوستان دنیا بھر میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے' اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے کہ اسے ایک علاقے میں مرکوز کر دیا جائے۔۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام خدا اور بندے کے درمیان ایک روحانی واسطہ کا نام نہیں۔ یہ ایک نظامِ حکومت ہے۔ اس نظام کا تعین اس وقت ہو چکا جب کسی روسو کے دل میں ایسے نظام کا خیال تک نہ آیا تھا۔ اس نظام کی بنیاد ایک ایسے اخلاقی نصب العین پر رکھی گئی ہے جس کی رُو سے انسان جمادات اور نباتات کی طرح پابہ گِل مخلوق نہیں سمجھا جاتا کہ اس کو کبھی اس خطۂ زمین سے منسوب کر دیا جائے اور کبھی اس سے' بلکہ وہ ایک ایسی بلند و بالا ہستی سمجھا جاتا ہے جس کی صحیح قدر و قیمت اس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ ایک خاص معاشرتی نظام کی مشینری میں فٹ ہو' اسی لئے میری آرزو ہے کہ پنجاب۔ صوبہ سرحد۔ سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک واحد اسلامی ریاست قائم کی جائے"۔

اپنے تصورِ مملکت اسلامی کی وجہِ جواز پیش کرتے ہوئے علامہؒ نے فرمایا کہ "مسلم مملکت کا میرا یہ مطالبہ ہندوستان اور اسلام دونوں کیلئے منفعت بخش ہو گا۔ ہندوستان کو اس سے حقیقی امن اور سلامتی کی ضمانت مل جائیگی جو قوتوں کے توازن کا فطری نتیجہ ہو گی اور اسلام کو اس سے ایسا موقع میسر آجائیگا جس سے یہ اس ٹھپے کو مٹا سکے گا جو عرب ملوکیت نے اس پر زبردستی لگا رکھا ہے اور یہ اس قابل ہو سکے گا کہ یہ اپنے قوانین۔ تعلیم اور ثقافت کو پھر سے زندگی اور حرکت عطا کر سکے۔"

محترم پرویزؒ صاحب نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ حضرت علامہ اقبالؒ نے اپنے اس تصور اور فکر کو عملی جامہ پہنانے کیلئے قائداعظمؒ کی ذاتِ گرامی کا انتخاب کیا۔ یہ ان کی قرآنی بصیرت کا نتیجہ تھا کہ قائداعظمؒ نے حضرت علامہؒ کے تصور کی مملکت کے حصول کیلئے اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے آخرالامر پاکستان کی جنگ جیت لی۔ قائداعظمؒ کے نزدیک پاکستان کی آزاد مملکت کا مقصد کیا تھا' اس کے متعلق پرویزؒ صاحب نے قائداعظمؒ کے مختلف ارشادات کی روشنی میں بتایا۔ مثلاً 1945ء میں فرنٹیئر مسلم سٹوڈنٹس کے نام اپنے پیغام میں قائدؒ نے فرمایا:

"پاکستان سے مطلب یہ نہیں کہ ہم غیر ملکی حکومت سے آزادی چاہتے ہیں۔ اس سے حقیقی مراد مسلم آئیڈیالوجی ہے۔ جس کا تحفظ نہایت ضروری ہے۔ ہم نے صرف آزادی حاصل نہیں کرنی' ہم نے اس قابل بھی بننا ہے کہ ہم اس کی حفاظت بھی کر سکیں اور اسلامی تصورات اور اصولات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں"۔

قائداعظمؒ نے مملکت پاکستان کے حصول کا منشا اور مقصود اپنے اس جواب میں 1941ء میں جب وہ حیدر آباد تشریف لے گئے تھے' عثمانیہ یونیورسٹی کے طلبا کے اس سوال کے جواب میں کہ "مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازمات کیا ہیں" فرمایا تھا کہ "جب میں انگریزی میں مذہب (Religion) کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور محاورہ کے مطابق لا محالہ میرا ذہن خدا اور بندے کے باہمی پرائیویٹ تعلق کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم یا تصور نہیں۔ میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ ملا۔ نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے۔ البتہ میں نے قرآن مجید کا اور قوانین اسلام کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی' سیاسی ہو یا معاشی' غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ قرآنِ حکیم کی اصولی ہدایات اور طریق کار نہ صرف مسلمانوں کیلئے بہترین ہیں۔ بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کیلئے حسنِ سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے اس سے بہتر کا تصور ناممکن ہے"۔

پرویزؒ صاحب نے قائداعظمؒ کا یہ ارشاد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "قائداعظمؒ کا اپنے متعلق اعتراف و اعلان یہ ہے کہ میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ ملا۔ نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے" لیکن اسلامی نظام کی اصل و بنیاد کے متعلق جو کچھ انہوں نے سمجھا اور کہا' ذرا غور کیجئے کہ دینیات میں مہارت کے مدعی کتنے ہیں جو اسلام کے متعلق اس گہرائی تک پہنچ سکے ہوں"۔

قائداعظمؒ نے اسی محفل میں طلبا کے ایک اور سوال کہ "اسلامی حکومت کے تصور کی امتیازی خصوصیت کیا ہے؟" کے جواب میں فرمایا "اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے۔ جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن حکیم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کیلئے آپ کو لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے"۔

قائداعظمؒ کے اس ارشاد پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ پرویزؒ نے فرمایا کہ "آپ اس جواب کے ایک ایک فقرہ پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ اس حقیقت کو کس قدر غیر مبہم' مختصر لیکن جامع الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے کہ کوئی مملکت اسلامی کس طرح بن سکتی ہے"۔

قائداعظمؒ کے ایک اور خطاب جو انہوں نے اکتوبر 1947ء میں پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے افسران حکومت سے کیا' کا حوالہ پرویزؒ

صاحب نے یوں دیا۔

"پاکستان کا قیام جس کے لئے ہم گذشتہ دس سال سے مسلسل کوشش کر رہے تھے۔ اب خدا کے فضل سے ایک حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آچکا ہے۔ لیکن ہمارے لئے اس آزاد مملکت کا قیام مقصود بالذات نہیں تھا' بلکہ ایک عظیم مقصد کے حصول کا ذریعہ تھا۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ ہمیں ایک ایسی مملکت مل جائے جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں اور جس میں ہم اپنی روشنی اور ثقافت کے مطابق نشوونما پا سکیں اور جہاں اسلام کے عدل عمرانی کے اصول آزادانہ طور پر روبہ عمل لائے جا سکیں"۔

پرویزؒ صاحب نے قائداعظمؒ کے اس خطاب کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ان حضرات کی توجہ اس اہم اعلان کی طرف دلائی جو یہ کہتے نہیں تھکتے کہ قائداعظمؒ نے حصول پاکستان کے بعد اپنے نظریات میں تبدیلی پیدا کر لی تھی اور وہ پاکستان میں ہرگز اسلامی نظام کا نفاذ نہیں چاہتے تھے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ یہ درست ہے کہ پاکستان میں وہ قرآنی نظام نہیں نافذ ہو سکا جس کے لئے یہ ملک ہزاروں قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا تھا اور اس کی وجہ ہے بقول حضرت عمرؓ عوام میں اس وقت تک بگاڑ پیدا نہیں ہوتا جب تک ان کے لیڈر سیدھے رہتے ہیں۔ جب تک داعی اللہ کی راہ میں چلتا ہے' رعایا اس کے پیچھے چلتی ہے جہاں اس نے پاؤں پھیلائے' رعایا اس سے پہلے پاؤں پھیلا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنی مملکت میں امیر کی اطاعت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرے" پرویزؒ صاحب نے اپنے خطاب کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اس وقت دنیا میں کہیں بھی اسلامی نظام قائم نہیں' لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نظام کا کبھی نفاذ ہوا ہی نہیں۔ آپ نے بتایا کہ حضورؐ کے عہدِ ہمایوں میں یہ نظام نافذ ہو کر حضرت عمرؓ کے عہد میں اپنے شباب تک پہنچا۔ آیئے اس انسانیت ساز عہد کی جھلک آپ بھی ملاحظہ کریں۔

حضرت عمرؓ اکثر لوگوں سے دریافت کرتے کہ بتاؤ میں صحیح طریقے پر چل رہا ہوں یا کہیں لغزش کھا گیا ہوں۔ ایک موقعہ پر آپ نے کہا "میں یہ نہیں جانتا کہ میں خلافت سے رُوگردانی کر کے شاہی تو نہیں کر رہا مجھے بتایئے۔ مجمع میں سے ایک شخص برجستہ بولا امیر المومنین! خلافت اور شہنشاہیت کا فرق بڑا واضح ہے۔ خلیفہ تمام افرادِ معاشرہ کے حقوق کا محافظ ہوتا ہے اور بادشاہ ان کے حقوق میں ظلم اور جبر کرتا ہے۔ وہ ایک طرف سے لُوٹتا ہے' دوسری طرف خرچ کرتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ خلیفہ ہیں بادشاہ نہیں۔

خلیفہ کے فرض کے بارے میں کہا کہ یاد رکھو کوئی شخص کسی پر ظلم کریگا تو میں اس وقت تک اسے نہیں چھوڑونگا جب تک اس کا ایک رخسار زمین پر ٹکا کر دوسرے رخسار پر اپنا پاؤں نہ ٹکا دوں تانکہ وہ حق کے سامنے سپر انداز ہو جائے۔ لیکن تم میں سے حقدار کیلئے میں اپنا رخسار زمین پر رکھ دوں گا۔

خلیفہ کا حق کیا ہوتا ہے اس بارے میں حضرت عمرؓ کی نسبت سے بتایا کہ ایک دن کسی نے پوچھا کہ مسلمانوں کے مال میں سے اپنے لئے کیا جائز ہے۔ تو آپ نے کہا کہ "کپڑوں کے دو جوڑے' ایک گرمی اور دوسرا سردی کا۔ حج اور عمرہ کیلئے احرام اور میرے اور میرے اہل و عیال کیلئے فی کس اتنا کھانا جو قریش کے ایک آدمی کی خوراک ہے۔ نہ اس سے

کم نہ زیادہ- اس کے بعد میں مسلمانوں کا ایک فرد ہوں' جو ان کا حال سو میرا حال؟-

جس طرح امور مملکت چلانے کیلئے حکومتیں رعایا سے ٹیکس وصول کرتی ہیں- اس طرح حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی ٹیکس وصول کئے جاتے تھے- کیونکہ اس کے بغیر امورِ مملکت کا چلانا ناممکن ہے- یہ ٹیکس اس زمانے میں کن لوگوں سے وصول کئے جاتے تھے اس کے بارے میں پرویزؒ صاحب نے ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک نو مسلم حکومت کے واجبات کی ادائیگی کیلئے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے کہا کہ کیا حکومت نے تمہارے لئے کچھ کیا ہے جو تم ٹیکس دینے آئے ہو تو اس نے کہا کہ نہیں ابھی تو نہیں- اس پر حضرت عمرؓ نے اس نو مسلم کو یہ کہہ کر واپس لوٹا دیا کہ جب حکومت تمہارے لئے کچھ کریگی تو پھر اس کا حق ٹیکس وصول کرنے کا بنے گا-

حضرت عمرؓ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ بیت المال کے خازن بیت المال کی صفائی کر رہے تھے- پاس حضرت عمرؓ کے گھرانے کا ایک بچہ کھڑا تھا- خازن کو دورانِ صفائی ایک درہم (اس زمانے کی ایک پائی) ملا جو اس نے بچے کے ہاتھ میں تھما دیا- کیونکہ اس درہم کا کہیں حساب شمار نہ تھا- بچے کے ہاتھ میں درہم دیکھ کر جب حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ اسے یہ درہم کہاں سے ملا تو بچے نے پورا ماجرہ بیان کر دیا- خازن صاحب کو طلب کر کے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بھائی ! تم نے مجھ سے کس دشمنی کا بدلہ لیا ہے کہ امت کے مال میں سے مجھے خیانت کا مرتکب بنا رہے ہو- اب روزِ قیامت خدا کے حضور امت مجھ سے اس خیانت کے بارے میں پوچھے گی تو میں کیا جواب دونگا-

آزادی گفتار اور محاسبہ کے متعلق ایک واقعہ بتاتے ہوئے محترم پرویزؒ صاحب نے کہا کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ ایک اجلاس سے خطاب کرنے کھڑے ہوئے اور کہا کہ لوگو میری بات سنو- مجمع میں سے کسی نے کہا کہ ہم تمہاری بات اس وقت تک نہیں سنیں گے جب تک تم یہ نہ بتاؤ کہ تم نے غنیمت کی جو چادریں تقسیم کی تھیں وہ ہر ایک کے حصے میں ایک ایک چادر آئی تھی تم اس قدر دراز قد ہو' اس ایک چادر میں یہ چولا جو تم نے زیب تن کیا ہوا ہے کیسے بن گیا- حضرت عمرؓ جوابدہی کیلئے منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور کہا کہ چونکہ مجھ سے جوابدہی کی گئی ہے اس لئے جب تک میں مستفسر کے سوال کا جواب نہ دوں میں اپنے آپ کو خلافت سے معزول سمجھتا ہوں- پھر کہا کہ اس سوال کا جواب میرا بیٹا دیگا- بیٹا آیا اور اس نے بتایا کہ اس نے اپنے حصے کی چادر ابا جان کو دے دی تھی تاکہ ان کا کرتا بن سکے- وہ شخص اس جواب سے مطمئن ہو گیا تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اب میں پھر خلیفہ ہوں-

خلیفہء وقت کے احساسِ فرض کا ایک گوشہ اجاگر کرتے ہوئے پرویزؒ صاحب نے تاریخ کا ایک اور ورق الٹا اور حضرت عمرؓ کے زمانے کا ہی ایک واقعہ بیان کیا کہ آپؓ رعایا کے حالات معلوم کرنے کیلئے اکثر رات کو گھوما کرتے تھے- ایک شام ایک خیمہ کے قریب سے گذرے تو وہاں سے بچوں کے رونے اور چلانے کی آواز آئی- دریافت کرنے پر خاتون خانہ نے کہا کہ یہ بچے تین وقت سے بھوکے ہیں- میں نے خالی پانی کی ہنڈیا چولہے پر چڑھا رکھی ہے تاکہ یہ بچے

بہل جائیں اور سو جائیں۔ حضرت عمرؓ فوراً بیت المال پہنچے وہاں سے خوراک کی ضروری اشیاء لیں اور اپنے خادم اسلمؓ سے کہا کہ وہ ان چیزوں کو ان کی پیٹھ پر لاد دے۔ خادم نے کہا کہ مجھے دیجئے میں اٹھا لیتا ہوں۔ فرمایا کہ نہیں۔ کوتاہی مجھ سے ہوئی ہے۔ میں ہی اٹھا کر لے جاؤنگا۔ اس خاتون کے خیمہ میں پہنچ کر کھانے پینے کی چیزیں اس کے حوالے کیں۔ خاتون خانہ نے انہیں پکانا شروع کیا۔ حضرت عمرؓ چولہا جھونکتے رہے۔ کھانا تیار ہوا تو بچوں نے کھایا اور کچھ دیر اُچھل کود کے بعد سو گئے۔ حضرت عمرؓ واپس جانے لگے تو خاتون خیمہ سے کہا تم نے خلیفہ وقت کو اپنی اس حالت کے بارے میں کیوں نہیں بتایا۔ تو اس نے کہا کہ جب عمر میں اتنی صلاحیت ہی نہیں کہ وہ رعایا کے حالات جان سکے تو مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں اس کے پیچھے بھاگتی پھروں۔ خلیفہ بننے کے اہل تو تم ہو۔ (واقعی وہی شخص خلیفہ بننے کا اہل تھا)۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ پیش کرتے ہوئے پرویزؒ صاحب نے کہا کہ ایک دفعہ آپ شام کے سفر سے واپس آرہے تھے۔ راستہ میں ایک خیمہ دیکھا جو ویران جگہ پر تھا۔ حسبِ عادت دریافتِ احوال کیلئے خیمہ کے اندر تشریف لے گئے۔ ایک خستہ حال بڑھیا کو دیکھ کر فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہے۔ تمہیں کسی قسم کی کوئی شکایت تو نہیں۔ اس نے کہا کہ میں تمہیں اپنی شکایت کیا بتاؤں' جبکہ اس شخص نے جس کی یہ ذمہ داری ہے آج تک کبھی پوچھا ہی نہیں۔ آپؓ نے پوچھا کہ وہ کون ہے جس کی یہ ذمہ داری ہے اس نے کہا کہ وہ جو امیرالمومنین بننے کا مدعی ہے۔ آپ نے کہا کہ تم نے اپنی تکلیف کی خبر اس تک پہنچائی تھی۔ اس نے کہا کہ یہ میرا کام نہیں کہ میں اس تک اپنی خبر پہنچاؤں' یہ اس کا کام ہے کہ رعایا کے ہر فرد کی خبر گیری کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو اسے اس ذمہ داری کو کسی ایسے شخص کے سپرد کر دینا چاہئے جو اس کا اہل ہو۔

حضرت عمرؓ نے اس واقعہ کو عمر بھر یاد رکھا۔ وہ اکثر نم آلود آنکھوں سے کہا کرتے تھے "عمر کو اس بڑھیا نے بتایا کہ خلافت کی ذمہ داریاں کیا ہیں"۔

ہال میں موجود لوگ پرویزؒ صاحب کا خطاب سننے میں اس قدر مگن تھے کہ انہیں معلوم ہی نہ ہو سکا کہ پونے دو گھنٹے کا طویل عرصہ گذر چکا ہے۔ پرویزؒ صاحب کے خطاب کے بعد سٹیج سے اعلان ہوا کہ اب حسبِ وعدہ مجلس استفسارات آراستہ کی جاتی ہے۔ سامعین اپنے سوالات جو عملی زندگی کے متعلق ہوں تحریری صورت میں سٹیج پر پہنچا دیں۔ اس اعلان کے بعد ملک سلیم نے مائیک مدیر مجلّہ طلوع اسلام چوہدری محمد لطیف کے حوالے کیا کہ وہ اس اہم ذمہ داری کو نبھانے کے اہل ہیں۔ چوہدری صاحب موصوف نے سلام و رحمت کے بعد اپنا مختصر سا تعارف کرایا اور پھر سوالات کے جواب دینے کیلئے سٹیج پر محترم عبداللہ ثانی صاحب وائس چیئرمین تحریک طلوع اسلام' محترم محمد عمر دراز صاحب نمائندہ بزم طلوع اسلام لاہور اور عزیزہ بہن عارفی سلطانہ صاحبہ ایڈووکیٹ و پرنسپل ڈان ماڈل سکول لاہور کو سٹیج پر تشریف لانے کی دعوت دی۔ وقت تیزی سے بھاگ رہا تھا اور سوالات کے انبار کا تقاضا تھا کہ ان میں سے صرف انہیں سوالات کے جواب دیئے جائیں جو عملی زندگی سے متعلق ہوں اور ایسے سوالات تقریباً نہ ہونے کے برابر تھے۔ تاہم پہلا سوال جو جواب کیلئے

پیش کیا گیا یہ تھا کہ پرویزؒ صاحب پر الزام ہے کہ وہ حدیثوں کا انکار کرتے ہیں۔ یہ کیوں؟ جواب کیلئے عمر دراز صاحب کو زحمت دی گئی جنہوں نے محترم پرویزؒ صاحب کی کئی کتابوں سے حدیثوں کے حوالے دیتے ہوا کہا کہ پرویزؒ صاحب کی کتب میں ان احادیث کے ہوتے ہوئے بھی آپ انہیں منکر حدیث کہیں تو اس کا علاج ہمارے پاس نہیں۔ پھر انہوں نے دیوار پر لگے ہوئے بہت بڑے بینر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جس پر حضورؐ کی یہ حدیث مبارکہ تحریر تھی "اگر کسی بستی کے لوگوں کی ایک رات بھی گذشتہ رات کی طرح گذری یعنی ان کی جدوجہد میں ترقی نہ ہوئی تو اس بستی سے خدا اپنی ذمہ داری اٹھا لیتا ہے"۔ اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا کہ کیا منکر حدیث ایسے ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ ان کے تسلی بخش جواب سے مستفسر اور دیگر لوگوں کی یہ غلط فہمی دور ہو گئی ہو گی کہ پرویزؒ صاحب حدیثوں کا انکار کرتے ہیں۔ ایک سوال امت مسلمہ میں فرقوں کی موجودگی کے بارے میں تھا کہ یہ فرقے اسلام میں کیا حیثیت رکھتے ہیں اور یہ کیسے مٹ سکتے ہیں۔ سوال کی اہمیت کے پیش نظر عبداللہ ثانی صاحب کو دعوت دی گئی جنہوں نے قرآن حکیم کی روشنی میں فرقوں اور فرقہ بازوں کے متعلق تفصیل سے گفتگو کی اور بتایا کہ از روئے قرآن فرقہ بندی شرک ہے۔ عزیزہ بہن عارفی سلطانہ صاحبہ جو پہلے ہی شکوہ سنج تھیں کہ اس مرد معاشرہ میں عورت کو اس کا حق نہیں دیا جاتا۔ ہال میں خواتین کی محدود تعداد دیکھ کر دلی رنج سے کہہ رہی تھیں کہ اگر آپ عورتوں کو ان کا حق دیتے تو اس حال میں چند عورتیں نہ ہوتیں کم از کم مردوں کی نسبت سے نہ سہی نصف تعداد میں تو ہوتیں۔ ان کی یہ باتیں شاید لاؤڈ سپیکر کو پسند نہ آئیں۔ اس کا کچھ مزاج بگڑا۔ آواز پوری طرح واضح نہ تھی۔ پھر واپڈا والے آگے بڑھے اور آواز اور روشنی دونوں جاتے رہے۔ نماز مغرب کا وقت بھی ہوا چاہتا تھا۔ سامعین تقریباً چار گھنٹے سے نہایت استقامت اور سکون سے تمام کاروائی سن رہے تھے۔ اس لئے تکان قدرتی امر تھا۔ اس تکان کو دور کرنے کیلئے چوہدری آفتاب احمد صاحب اور ان کے رفقاء نے گرما گرم سبز چائے اور لوازمات چاء کا انتظام کر رکھا تھا جو بڑے سلیقے سے سامعین کرام تک پہنچا دی گئی۔ کام و دہن کی تواضع کے بعد یہ یادگار تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔

مجھے اس امر کا پورا پورا احساس ہے کہ محترم پرویزؒ صاحب کے خطاب کو میں مکمل طور پر ضبط تحریر میں نہیں لا سکا۔ ایسا تو کوئی مختصر نویس ہی کر سکتا تھا۔ ویسے بھی دیگر مصروفیات کے باعث تقریر کے نوٹس بھی مکمل طور پر نہ لئے جا سکے اس لئے امکان ہے کہ اس اہم تقریر کے بہت سے گوشے صفحہ قرطاس پر نہ آسکے ہوں۔ اس کیلئے معذرت۔

KINDLY MAKE SURE
YOUR SUBSCRIPTION
IS NOT UNPAID

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملک حنیف وجدانی (مری)

نظریۂ پاکستان اور دولت کی دوڑ

(جدید ابرہہ کے' ایک ہزار ہاتھی)

1857ء کی جنگ آزادی میں شکست کھا جانے کے بعد مسلمان غلام بن گئے۔ ہندو' انگریزوں کا حاشیہ بردار بن کر جلد ہی سنبھل گیا۔ پھر اس نے انگریزوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے اپنی غلامی کا بدلہ لینے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ جب مسلمانوں کے غدار بھی ان سے مل گئے تو انگریزوں کا راستہ اور بھی آسان ہو گیا تھا۔

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ آدم' ننگِ دیں' ننگِ وطن

اقبالؒ

قانونِ مزارعین 1887ء (از 23/9/1887 = دفعات 1 تا 116) آج تک نافذ ہے۔ ایک طرف انگریزوں نے اپنے حاشیہ برداروں کو بڑی جاگیروں کے انعامات دیئے تو دوسری طرف کچھ لوگوں کو ان کا غلام بنا دیا۔ اس طرح "طبقاتی تسخیر کی حکمت عملی"۔ یعنی "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی داغ بیل ڈالی گئی۔ قانونِ مزارعین میں ایک طبقہ کماتا تھا اور دوسرا کھاتا تھا۔ اس قانون کے خاتمہ تک ایسا ہی ہوتا رہے گا بقول اقبالؒ۔

دانہ' ایں می کارد' آں حاصل برد

1987 کو قانون مزارعین اپنی سو سالہ سالگرہ بھی منا گیا اور ہم جشنِ صد سالہ پر بھی اس کو نہ چھیڑ سکے یا للعجب! اس طرح مراعات یافتہ طبقات میں امیر پیدا ہوتے رہے اور یوں غریب اور امیر میں یہ خلیج بڑھتی ہی رہی۔ جناب ارشاد احمد حقانی صاحب روزنامہ جنگ لاہور میں مورخہ 4 ستمبر 1995ء اپنے ایک اہم ترین مضمون "پاکستانی مراعات یافتہ طبقات کی آہنی گرفت" میں لکھتے ہیں۔

"مترفین قرآن کی ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب ہے کسی معاشرے کے خوش حال اور بالائی طبقات۔ اسی طرح قرآن میں ایک اور اصطلاح بار بار استعمال ہوئی ہے اور وہ ہے "مَلَاءٌ" اس سے مراد کسی معاشرے کے سیاسی لحاظ سے بالا دست اور اہم افراد ہیں۔ آپ ایک خاص مفہوم میں ان دونوں اصطلاحات کو جزوی طور پر ہم معنی بھی قرار دے سکتے ہیں۔ قرآن میں جہاں جہاں بھی "مترفین" اور "مَلَا" کا تذکرہ آیا ہے۔ اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن نے ان دو طبقوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے لئے کسی اچھے تأثر کا اظہار نہیں کیا اور عام طور پر انہیں سرکشی' حق سے انحراف' ظلم' استحصال اور جور و استبداد کی خصوصیات کے حامل طبقے قرار دیا ہے۔ ہر انسانی معاشرے میں بدقسمتی سے یہ دونوں طبقے کم یا زیادہ موجود رہتے ہیں اور پاکستانی معاشرہ اس اصول سے مستثنیٰ نہیں۔ یہ ایک المناک حقیقت ہے کہ بالعموم سیاسی اور مالی حوالے سے طاقتور افراد اور طبقے' عوام الناس کے دشمن اور ان

کے اکثر مصائب' مشکلات اور محرومیوں کا باعث ہوتے ہیں۔" (روزنامہ جنگ لاہور صفحہ 3)

وہ آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"موجودہ نظامِ انتخابات اور سیاسی و حکومتی ڈھانچے کو چلنے دیا جائے تو کبھی ہماری حیاتِ اجتماعی میں عدل و احسان کے تقاضوں کی تکمیل کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اس قوم کو یہ کوشش کرنی پڑے گی کہ ملک کے مقتدر ایوانوں میں کسی طرح ایسے لوگ پہنچ سکیں جو مراعات یافتہ طبقات سے تعلق رکھتے ہوں اور نہ ان کے گماشتے کا کردار ادا کرنے کو تیار ہوں۔"

وہ مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اسمبلیوں میں 50 فی صد نشستوں کا اضافہ کر دیا جائے اور سیاسی جماعتیں اپنے بہترین کارکنوں کو جو بالعموم متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں مجالسِ قانون ساز میں بھیجیں۔ مزید برآں اساتذہ (سکول کالج اور یونیورسٹی کی سطح کے)۔ وکلاء' ڈاکٹروں' انجینئروں' دوسرے پیشہ وارانہ اہلیت کے حامل افراد' ریٹائرڈ ججوں' سول و فوجی ریٹائرڈ افسروں' مزدوروں' صحافیوں' اور خواتین کو ان کی اپنی اپنی تنظیموں اور انجمنوں کے ذریعے اسمبلیوں اور سینٹ میں نمائندگی دی جائے۔ ان نمائندوں کو دوسرے منتخب نمائندوں ہی کی طرح ووٹ اور بحث میں شرکت کا حق حاصل ہو"

ان آثار سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ پاکستان میں نظریۂ پاکستان کے خلاف دولت کی دوڑ کا قدم یہی مراعات یافتہ طبقات اُٹھا رہے ہیں اور غریبوں کے لئے مصیبت بن رہے ہیں۔ قیدِ زندان سے شیخ رشید احمد صاحب ممبر قومی اسمبلی کے نظریات جمعہ میگزین جنگ مورخہ 29 ستمبر 95ء میں شائع ہوئے ہیں ایک نقطہ نظر آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ جو اس بحث سے ملتا جلتا ہے۔

"اسمبلیوں میں آج بھی اکثریت ان لوگوں کی اولاد کی ہے۔ جو 1857ء کی جنگ آزادی کے غدار تھے۔ اس وقت بھی اعزاز یافتہ تھے اور آج بھی صاحب مراعات ہیں"

یہ اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں' صاحب اثر ضرور ہیں اور اس اثر میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔

انگریز نے اپنے عہد میں انگریز افسروں کی تنخواہ زیادہ رکھی۔ اور ہندوستانیوں کی برائے نام! یہ فرق اس وقت سے جملہ طبقہ ہائے ملازمین میں موجود رہا۔ جس کا تناسب پہلے یوں تھا اور اب یوں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

1931ء میں 1 : 286

1949ء میں 1 : 45

1964ء میں 1 : 35

1972ء میں 1 : 33

اس سے بھی پاکستان میں اہم طبقاتی تفاوت پیدا ہوا اور افسوس کہ آج تک اس میں مساوات کی طرف بڑھنے کا اصلاحاتی رجحان بھی بہت کم ہے۔ اگر چین کی مثال کو سامنے رکھا جائے تو ہم ان انسانوں کے سامنے نام کے مسلمان رہ جاتے ہیں اور بس!

جنگ راولپنڈی مورخہ 17 فروری 96ء میں جناب محمود علی صاحب (آف سابق مشرقی پاکستان) کا ایک بیان شائع ہوا ہے کہ

"مشرقی پاکستان علیحدہ نہ ہوتا تو جاگیردارانہ نظام باقی نہ رہتا" اگر صاحبِ موصوف ہمیں وہ مذکورہ نکتہ بھی بتا

دیتے۔ جس کے تحت جاگیرداری ختم کی جانی تھی تو ہم پر بڑا احسان ہوتا۔

جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کے تحت ایک ہزار ارب پتیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ملک کے ایک عظیم مدبر جناب حکیم محمد سعید صاحب روزنامہ جنگ مورخہ 8 فروری 96ء میں لکھتے ہیں۔

"آج بھی حکومت پاکستان کی غالب بیورو کریسی نصابِ تعلیم کو نظریۂ حیاتِ پاکستان سے ہم آہنگ کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہے۔" (روزنامہ جنگ صفحہ 3)

وہ آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"پاکستان کے ایک ہزار ارب پتیوں نے اپنی زائد از ضرورت دولت سے تعلیم کا میدان اپنے ہاتھ میں لے لیا تو پاکستان دنیا کا سب سے زیادہ مضبوط قلعہ اسلام بن جائے گا۔ دولت مندوں اور ارب پتیوں نے اپنی دولت تعلیم نونہالان و نوجوانان پر خرچ نہ کی تو کل آنے والا انقلاب ان کو بھی دولت سے محروم کر دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔"

زمین کی ذاتی ملکیت پر پلازے اور مارکیٹیں انہی لوگوں نے شروع کیں جو آج پورے جوبن پر ہیں۔ اس طرح جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کے یہ ایک ہزار ہاتھی پوری طرح سامنے آگئے ہیں۔ جو کافی عرصہ سے پل رہے تھے۔

اب آپ وہ اہم ترین تجزیاتی بیان بھی ملاحظہ فرمایئے جو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے ریکٹر ملک معراج خالد صاحب نے طالبات سٹوڈنٹس کونسل کی تقریبِ حلف وفاداری میں دیا۔ یہ بیان جنگ راولپنڈی میں 13 فروری 96ء کو شائع ہوا ہے۔

"مہمان ملک معراج خالد نے طالبات سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میرے لئے یہ باعثِ مسرت اور صد افتخار ہے کہ میں طالبات سے مخاطب ہوں اور مجھے یہ خوب صورت موقع ملا۔ بہت سی ایسی قومیں ہیں، کچھ تعداد میں ہم سے زیادہ کچھ کم، مگر عزت سے رہتی ہیں۔ ان کا احترام کیا جاتا ہے۔ لیکن بارہ کروڑ کی یہ قوم دنیا میں اپنے لئے باوقار مقام پیدا کرنے سے قاصر ہے کیونکہ ہم دوسروں کے عطیات اور بھیک پر زندہ ہیں جس کی وجہ سے دوسری قوموں کی خواہشات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ بارہ کروڑ کی یہ قوم اپنے وجود سے غافل ہے۔ یہ اپنے اصول فراموش کر چکے ہیں۔ ہم میں عدل و انصاف اور رواداری نہیں اور نہ ہی صحیح جمہوریت ہے۔ قانون ساز ادارے، انتظامیہ سب کمزور ہیں۔ قیادت! جس نے زندگی کے گُر سکھانے ہوتے ہیں وہ زندگی کے گُر بھول کر، کرسی کے حصول کے لئے کچھ بھی کر گزرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہماری روایات دم توڑ رہی ہیں اور ہم علاقہ، زبان اور فرقوں کے قلعے بنا کر جیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کونسل کی منتخب ممبران کو جو تحفے دیئے گئے ہیں وہ قرآن کے نسخے ہیں۔ جب پاکستان بنا تھا تو قوم کو ہر شخص پر اعتماد تھا۔ اس دور کی نسل کو جذباتی اور فکری طور پر اقبالؒ نے تیار کیا تھا۔ اقبالؒ کا خیال تھا کہ

"قرآن کے بغیر زندگی بسر کرنا ممکن نہیں۔"

آج جبکہ ہماری قوم تمام برائیوں میں مبتلا ہے۔ ٹی وی پر لغو پروگرام دکھائے جاتے ہیں جن سے خیالات میں پاکیزگی پیدا ہونے کی بجائے پراگندگی پیدا ہوتی ہے۔ اساتذہ سے گذارش ہے کہ وہ نہ صرف طالبات کو مختلف مضامین میں مہارت عطا کریں بلکہ ان کو صحیح انسان بنائیں کیونکہ اس قوم کو "عمران

خان" جیسے نوجوانوں کی ضرورت ہے جس نے کینسر ہسپتال جیسا کارنامہ انجام دے کر اس مایوس قوم کا اعتماد حاصل کر لیا ہے۔ آپ کو بھی چاہئے کہ اپنی صلاحیتوں کو قوم کی بھلائی کے لئے وقف کریں۔ مجھے یقین ہے ان بچیوں میں سے کئی ایک ننھی ابابیلیں بن کر سامنے آئیں گی اور قوم میں چھپے ہوئے بھیڑیوں اور ہاتھیوں کا مقابلہ کر کے قوم کو ان سے نجات دلائیں گی تاکہ یہ قوم نہ صرف قیام پاکستان کے اصل مقاصد سے ہم کنار ہو سکے بلکہ ترقی اور خوش حالی کی منزل حاصل کر کے اس سے قومی سربلندی کی راہ ہموار کرنے میں مدد فراہم کر سکے۔"

نونہالانِ قوم سے توقعات بجا! لیکن ہم نے ان کے تغیرِ نفس کے لئے کیا کیا ہے؟۔ اس بارے میں حصولِ پاکستان کے مقاصد کا تذکرہ کرتے ہوئے حکیم محمد سعید صاحب اپنے ایک اہم اخباری بیان مورخہ 17 فروری 96ء میں لکھتے ہیں۔

"ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کے صدر حکیم محمد سعید نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے۔ کہ 27 رمضان المبارک کو انسانِ ارض کو قرآن حکیم ملا لہٰذا ہمیں اسے دستورِ زندگی بنانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو 27 رمضان المبارک کو ملک پاکستان بھی عطا فرمایا تاکہ ہم اس میں قرآن کا دستور نافذ کریں۔ انہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ مسلمان غلامی کی زندگی ہرگز نہیں گزار سکتا۔ قرآنِ حکیم نے اسے درسِ آزادی دیا ہے۔ پاکستان مسلمانوں کا وطن ہے لہٰذا پاکستان کو آزاد رہنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے دل میں محبت اور اخوت کا جذبہ فروزاں ہونا چاہئے۔ حکیم محمد سعید نے کہا کہ آج "عہد آزادی" تازہ کرنے کا دن ہے۔ آج وقت ہے کہ ہم اہلِ وطن پاکستان کو ہر سیاسی معاشی معاشرتی اور فکری غلامی سے نجات دلانے کا عہد کریں۔"

یہ ہے جناب حکیم محمد سعید صاحب کا تحفہ آزادی کہ پاکستان کا دستور قرآن ہونا چاہئے۔

جو حقائق اب تک سامنے آئے ہیں۔ آیئے ایک نظر سے ان کا بار دگر جائزہ لے لیں۔

الف۔ انگریزوں نے ہندو حاشیہ برداروں اور مسلمان غداروں سے مل کر طبقاتی تسخیر کی حکمت عملی سے جاگیردارانہ نظام قائم کیا۔

ب۔ افسر اور ماتحت۔ حاکم اور محکوم کے نقطہ نظر سے تنخواہوں اور مراعات میں بہت زیادہ فرق قائم کیا گیا۔ جس سے سرمایہ دارانہ نظام نے جنم لیا۔

ج۔ ایسا نظامِ تعلیم وضع کیا گیا جو ان کے مقاصد کو پورا کرنے والا تھا۔

د۔ خوش حال۔ بالادست طبقات پیورو کریسی پر چھا گئے۔

ہ۔ آج ایک ہزار ارب پتی موجود ہیں۔

و۔ جناب حکیم محمد سعید صاحب توقع رکھتے ہیں کہ یہ ایک ہزار ارب پتی نظام تعلیم کو اسلامی بنانے کے لئے اپنا کوئی کردار ادا کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کا دستور قرآنِ مجید ہونا چاہئے۔

ز۔ جناب ارشاد احمد حقانی صاحب سینٹ اور قومی اسمبلی میں طبقاتی نمائندگی کے ذریعہ قانون سازی سے تغیر لانا چاہتے ہیں۔

ح۔ اور جناب معراج خالد صاحب توقع رکھتے ہیں کہ بچیوں کو انسان بنایا جائے تو ان میں سے ایسی ابابیلیں نکل آئیں گی جو ان ہاتھیوں سے نجات حاصل کرنے کا قدم اٹھائیں گی۔

قرآن کریم میں بڑی قوت ہے۔ اگر اسے نافذ

کر دیا جائے تو بات بن جائے۔ لیکن آپ انتہائی حیران ہونگے کہ ان دولت مندوں نے بڑے پرانے عرصے سے اپنے تحفظ کا سامان کر لیا ہوا ہے۔ قرآن میں ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ۔ قُلِ الْعَفْوَ .....

(2/219)-

"اور تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں تم فرماؤ جو فاضل بچے۔" (ترجمہ امام اہلسنّت محمد احمد رضا خان بریلوی)

i- اب اس کی تفسیر ملاحظہ فرمایئے جو مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے لکھی ہے اور ان کو صدر الافاضل کہا جاتا ہے۔ وہ حاشیہ نمبر 428 صفحہ 50 پر لکھتے ہیں "یعنی جتنا تمہاری حاجت سے زائد ہو۔ ابتدائے اسلام میں حاجت سے زائد مال خرچ کرنا فرض تھا۔ صحابہ کرامؓ اپنے مال میں سے اپنی ضرورت کی قدر لے کر باقی سب راہِ خدا میں تصدق کر دیتے تھے یہ حکم آیتِ زکوٰۃ سے منسوخ ہو گیا"

اللہ اللہ، خیر سلا۔

ii- اور جب میں نے ناسخ و منسوخ کے متعلق ان کا نظریہ دیکھنا چاہا تو صفحہ 23 پر مسئلہ کے تحت یہ نوٹ درج شدہ دیکھا "جس طرح آیت دوسری آیت سے منسوخ ہوتی ہے اسی طرح حدیث متواتر سے بھی ہوتی ہے" (یہ نسخہ قرآن کمپنی لیمٹڈ اردو بازار لاہور کا شائع کردہ ہے)۔

جناب حکیم محمد سعید صاحب! فرمایئے اب آپ کے پاس اس کا کیا حل ہے؟ ایسا قرآنی دستور بن سکے گا؟ جب یہ کثیر مقتدی مع امام اور یہ فاضل موجود ہونگے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے فریاد کریں گے۔ **وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا** (25/30)-

ہائے اللہ! یہ ہے قرآن چھوڑ دینے والی قوم! (نوٹ :- قرآن کو کتاب لاریب فیہ ثابت کرنے کے لئے طلوع اسلام کے قریب آجایئے! تب بات بنے گی)۔

Book Review

Name :	ISLAM, ITS PRINCIPLES AND PASSAGE THROUGH AGES
Author :	Lt. Col (Retd.) Yousaf Ali Malik
Distributors :	Rashid Pervez Malik 32 Saint John Park, Lahore .
Price :	Rs. 130 or $ 5.00 Plus Postage.

The booklet is brief narration of Muslim sects, simple explanation of Islamic principles and beliefs. It also has a table of Dynasties/Sultans, listed in chronological order and tactical observations of Battles and Expeditions undertake for the cause of Islam.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خالد اسلام (سعودی عرب)

باڈی کلاک

(سعودی عرب سے خالد اسلام صاحب کے ایک سائنسی مضمون کی عام فہم تلخیص- مدیر مسئول)

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
زندگی یونہی تمام ہوتی ہے

صبح کب ہوئی- شام کب ہو گی؟ یہ جاننے کے لئے انسان نے سورج کے طلوع و غروب کا سہارا لیا یا گھڑی بنا لی- مگر بہت دنوں تک حضرت انسان یہ نہ جان سکا کہ ایک اَن دیکھی گھڑی اس کے اندر بھی لگی ہوئی ہے' جو ہر آن اسے نہ صرف وقت کا احساس دلاتی ہے بلکہ فطرت کے ٹائم ٹیبل کے مطابق اسے ذہنی اور جسمانی طور پر سونے' جاگنے اور کام کرنے کے لئے تیار بھی کرتی ہے- سائنس دانوں نے اس گھڑی کو باڈی کلاک کا نام دیا ہے-

باڈی کلاک کا انکشاف اس وقت ہوا جب کچھ سائنس دانوں کو تجربات کے لئے زیرِ زمین بھیجا گیا' جہاں بیرونی دنیا کے ساتھ ان کا رابطہ بجز ٹیلی فون کوئی اور نہ تھا- نہ سورج کی روشنی ان تک پہنچ سکتی تھی نہ چاند کا طلوع و غروب انہیں دکھائی دے سکتا تھا- نہ کوئی گھڑی ان کے پاس تھی نہ وقت کی پیائش کا کوئی اور ذریعہ- باایں ہمہ یہ دیکھ کر سائنس دانوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ زیرِ زمین سائنس دانوں کی روز مرہ زندگی کے معمولات بالکل وہی تھے جن کے وہ اس سے پہلے عادی تھے- ہر روز ایک ہی وقت سونا- ایک ہی وقت جاگنا- ایک ہی وقت کھانا- صبح کی سیر' دوپہر کا کیلولہ' شام کی تفریح اور متعین اوقات کار- سورج چاند تو ان کی نگاہوں سے اوجھل تھے ہی' ان کے پاس تو کوئی علامتی گھڑی بھی نہ تھی پھر نظم و ضبط کا یہ مظاہرہ کیونکر ممکن ہوا؟ یہ تھا وہ تجربہ جو سائنس دانوں کے لئے اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کا موجب بنا کہ انسان کے جسم میں ایک انتہائی قابل اعتماد گھڑی ایسی بھی ہے جو بیرونی ذرائع کی محتاج نہیں- ہوائی سفر سے متعلق لوگ جانتے ہیں کہ مشرق سے مغرب کی طرف سفر میں عجیب قسم کی تھکان سے واسطہ پڑتا ہے- کسی صبح آپ امریکہ کے لئے روانہ ہوئے- دس بارہ گھنٹے کا سفر طے کر کے آپ نیو یارک پہنچے- طبیعت سونے پر قائل ہے لیکن وہاں صبح ہو چکی ہے- دن بھر ان لوگوں کے ساتھ آپ بھی مصروف رہتے ہیں- چوبیس گھنٹے مسلسل جاگنے کے بعد آپ سونے کی تیاری کرتے ہیں تو نیند نہیں آتی کیونکہ اگرچہ امریکہ میں رات ہو چکی ہے اور آپ سونا بھی چاہتے ہیں لیکن آپ کے باڈی کلاک کے مطابق یہ آپ کے سونے کا نہیں بلکہ سو کر اٹھنے کا وقت ہے- اس ذہنی کشمکش سے جو تھکان ہوتی ہے اسے طبی اصطلاح میں Jet-Lac کہتے ہیں- پائلٹ اس بیماری سے بخوبی آگاہ ہیں- انسانوں ہی میں نہیں یہ خصوصیت حیوانات اور نباتات میں بھی اسی طرح

پائی جاتی ہے۔ بعض پودے دن کی روشنی میں کھل اٹھتے ہیں اور رات کو مرجھا جاتے ہیں۔ ان پودوں کو مسلسل روشنی میں رکھا گیا تو معلوم ہوا کہ روشنی اور تاریکی کی پرواہ کئے بغیر یہ پودے اپنے باڈی کلاک کے مطابق اسی وقفے سے کھلتے اور مرجھاتے رہے۔ ہمارے ہاں سردیوں میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ ان درختوں کو کسی ایسے ملک میں منتقل کر دیا جائے جہاں سردی سرے سے پڑتی ہی نہ ہو تو بھی ان کا پتے جھڑنے کا ٹائم ٹیبل وہی رہے گا جو پہلے تھا۔ موسموں کے تغیر کے مطابق شمال سے جنوب اور جنوب سے شمال کی طرف سفر کرنے والے جانوروں پر کسی جگہ سورج کی روشنی اگر بالکل بند کر دی جائے' وہ تب بھی اپنے ٹائم ٹیبل کے مطابق ٹھیک وقت پر واپس لوٹ جائیں گے۔ یہ ہیں جسم کے اندر قدرت کی فراہم کردہ اس گھڑی کے کرشمے جسے باڈی کلاک کا نام دیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جاگنے' سونے اور آرام کرنے کے اوقات کا واضح تعین کر دیا ہے۔ قرآن کریم پر ایمان لانے سے اہل ایمان کا باڈی کلاک ان اوقات کے مطابق خود بخود Adjust ہو جاتا ہے اور اس طرح روز مرہ کے معمولات کی بجا آوری کے لئے وہ گھڑی کے محتاج رہتے ہیں نہ گردش لیل و نہار کے۔ مسلمان ہے تو اس کی فجر نہ گھڑی کے الارم سے ہو گی نہ مرغانِ سحر کی غوغا آرائی سے۔ اس کے لئے اس کا باڈی کلاک ہی سحر نما بن جاتا ہے۔ یقین نہ آئے تو چند روز نمازِ فجر ادا کر کے دیکھ لیجئے۔

کراچی صدر اور حیدر آباد (قاسم آباد) سندھ میں

سلسلہ وار درس قرآن کریم کا اہتمام (بذریعہ ویڈیو کیسٹ) مندرجہ ذیل مقامات پر کیا گیا ہے۔

شہر و مقام		دن	وقت
کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ زیب النساء سٹریٹ بالمقابل فٹ رائٹ شوز شاپ	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
حیدر آباد	12-B حیدر آباد ٹاؤن فیز 2 بالمقابل نسیم نگر قاسم آباد	جمعۃ المبارک بعد نماز عصر	

دعوت عام ہے تشریف لائیں

قرآنی لٹریچر۔ جملہ مطبوعات طلوع اسلام ٹرسٹ' مجلّہ طلوع اسلام کے تازہ شمارے درس کے دوران 35% رعایت کے ساتھ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

رابطہ:

ایاز حسین انصاری نمائندہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر' بزم طلوع اسلام قاسم آباد حیدر آباد (سندھ)
ٹیلی فون: کراچی 4571919 حیدر آباد 654906

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زاہد صفدر (ناروے)

گر تو برا نہ مانے

کسی معاشرے کی تعمیر و ترقی کا انحصار اس تعلیم و تربیت پر ہوتا ہے جو اسے دی جاتی ہے۔ تعلیم علم حاصل کرنے کا نام ہے تو تربیت مشق ہے اس علم کو بروئے کار لانے کی۔ آپ چاہیں تو اسے علم و عمل کا نام دے لیں مگر یہ ہیں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم۔ علم کے بغیر تربیت بیکار ہے اور تربیت کے بغیر علم بے سود۔ علم کا حاصل ایمان ہے جو بہت بڑی دولت ہے لیکن اللہ تعالیٰ عمل کے بغیر ایمان کو بھی گھاٹے کا سودا قرار دیتا ہے (سورا العصر)۔ زمانہ گواہ ہے، تاریخ شاہد ہے کہ انبیاء اکرامؑ کو جو فریضہ سونپا گیا وہ بھی انہی دو مراحل پر مشتمل تھا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (3:164,2/151,2/129,62/2)-

"(اور دیکھو) خدا کی وہ ذات ہے جس نے اُن پڑھ قوم میں انہی میں سے ایک پیغمبر بھیج دیا جو ان کے سامنے خدا کے قوانین پیش کرتا ہے۔ انہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور یہ سمجھاتا ہے کہ ان قوانین خداوندی کی غرض و غایت کیا ہے اور ان پر عمل پیرا ہونے کا نتیجہ کیا۔ وہ ان کی ذات کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔ حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ اس کے آنے سے پہلے وہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے۔"

اس فریضہ رسالت میں تعلیم و تزکیہ کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ تعلیم کا تعلق بالعموم انسانی ذہن سے ہوتا ہے اور تزکیہ کا تعلق قلبِ انسانی سے۔ کسی شئے کی حقیقت کو اس انداز سے واضح کر دینا کہ وہ دوسرے کی سمجھ میں آجائے تعلیم ہے، لیکن دنیا میں انقلاب پیدا کرنے کے لئے ذہنی جِلا ہی کافی نہیں اس کے لئے قلبی تبدیلی کی بھی ضرورت ہے جو درحقیقت اعمالِ انسانی کا سرچشمہ ہے۔ عمل کا جذبۂ محرکہ قوتِ ارادی ہے اور قوتِ ارادی کے منبع کو قلب کہا جاتا ہے۔ اسی کا نام "انسانی ذات کی نشوونما" ہے۔ یعنی ان صلاحیتوں کی نشوونما جن سے شرفِ انسانیت عبارت ہے۔ ذات کی اسی نشوونما کو تطہیرِ قلب یا نگاہ کی تبدیلی کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اسے "نفسیاتی تبدیلی" کی اصطلاح سے بھی تعبیر کیا ہے، اس تبدیلی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کا ارادہ ہمیشہ صحیح سمت کی طرف رخ کرتا ہے۔ دنیا میں جسے "نیکی" کہا جاتا ہے، وہ نیک ارادے ہی کے مظاہر کا نام ہے۔ کانٹؔ کے الفاظ میں بجز اچھے ارادے کے دنیا بھر میں بلکہ دنیا سے باہر بھی کوئی ایسی شئے نہیں جس کو علی الاطلاق بغیر کسی قید اور شرط کے اچھا کہا جا سکے۔

اخلاقیات کی تمام عمارت اسی بنیاد پر قائم ہے۔ بقول میکنزی "جس فعل میں ارادہ شامل نہیں اس کی اخلاقی حیثیت نہیں۔" جس سوسائٹی کے نظام کی بنیاد تزکیۂ قلب و تطہیرِ فکر پر نہیں ہے، وہ نظام کبھی نشو و ارتقاءِ انسانیت کا کفیل نہیں ہو سکتا۔ اس کا نتیجہ ہمیشہ فساد ہو گا۔ بہترین دساتیر و قوانین بھی اطمینان

بخش نتائج مرتب نہیں کر سکتے جب تک ان قوانین کو نافذ کرنے والی جماعت اور ان پر عمل کرنے والی قوم کے قلب و نگاہ کی اصلاح نہ ہو چکی ہو۔ اسی کو قرآن نے "تزکیہ" کہا ہے جس کے لفظی معنی بڑھنے۔ پھولنے پھلنے کے ہیں۔ اسی تزکیۂ نفس یا قلب و نگاہ کی تبدیلی کا نتیجہ تھا کہ اس قسم کی اُونٹ چرانے والی قوم' چند دنوں میں' ایک نئی تہذیب کی مالک ہی نہیں بن گئی' بلکہ اس نے دنیا میں تہذیب و تمدن کے پیمانے بدل دیئے۔ (معراج انسانیت ص 195)

تحریکِ طلوع اسلام کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو نظر آتا ہے کہ حصولِ علم پر تو ہم نے خاطر خواہ زور دیا۔ اس کے لئے نشرواشاعت کے عمل کو جاری رکھنے میں بھی ہم سے شاید کوئی کوتاہی نہیں ہوئی لیکن تجاہلِ عارفانہ ہے یا غفلتِ مجرمانہ کہ ہم انفرادی یا جماعتی سطح پر تطہیرِ قلب و نگاہ کے پروگرام کو وہ مقام نہیں دے پائے جو ہمیں دوسروں سے ممتاز کرتا۔ ہم میں اور دوسروں میں فرق کیا ہوا۔ وہ درود و سلام کی محفلیں سجانے میں سرشار ہیں تو ہم T.V. پر درسِ قرآن سن کر مطمئن۔ مومن بننے کا پروگرام نہ ان کا ہے نہ ہمارا۔ وہاں عمل بلا علم ہے تو یہاں علم بلا عمل۔ میری بدقسمتی یہ کہ ؎

گلوں کے ساتھ گلشن میں رہا ہوں
میرے سینے میں ہر راز چمن ہے

لکھنے پر آؤں تو مفاد پرستی' ابن الوقتی اور خبث باطن کی ایسی ہوشربا تحریریں ڈھونڈ نکالوں جو ہر گھر کے در و دیوار پر چسپاں نظر آتی ہیں' لیکن جانتا ہوں کہ ہماری کمزوریوں کا علاج نہ طعن و تشنیع سے ممکن ہے نہ عیب جوئی اور الزام تراشیوں سے۔ برف کی یخ بستہ سلیں پگھلتے ہی پگھلیں گی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تعلیم کو جاری رکھتے ہوئے کچھ توجہ ہم کردار سازی پر بھی دیں کیونکہ بات اُسی کی سُنی جاتی ہے جو یہ کہہ سکے کہ میں نے تمہارے اندر ایک زندگی بسر کی ہے کیا میری ذات میں تمہیں کوئی ایسی بات نظر آتی ہے جس پر تم انگلی اٹھا سکو۔

یہ درست ہے کہ علم حاصل کر لینے کے بعد ہم لاکی منزل میں داخل ہو چکے ہیں لیکن اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا عمل اپنی زندگیوں میں شاید ابھی تک شامل نہیں کر پائے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا آج بھی ان 313ؓ کی تلاش میں ہے جو زمانے میں انقلاب برپا کر سکیں۔ ہم میں بقول بابا جیؒ ابھی ایک بھی مومن نہیں جو حضور نبی اکرمؐ کے تتبع میں کھلے عام تو کیا' کسی نجی محفل میں بھی یہ کہہ سکے کہ آؤ مجھے دیکھو۔۔ میرے کردار کو پرکھو! کیا میری روز مرہ زندگی اس تعلیم کے مطابق نہیں جس کا نقشہ قرآن کریم نے علماؑ اور نبی اکرمؐ نے عملاً پیش کیا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ غلط معاشرہ کی بعض مجبوریاں ایسی ہوتی ہیں جن پر انفرادی طور پر قابو پانا مشکل ہوتا ہے لیکن بقول بانیٔ تحریک' زندگی کے جن دائروں میں ہم مجبور نہیں' وہاں کونسی چیز مانع ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے اندر حسن سیرت پیدا نہ کریں۔ اپنی ہر کمزوری کے لئے معاشرہ کی مجبوری کو سپر بنا لینا بہت بڑی خود فریبی ہے۔ صداقت' اخوت' محبت' شفقت' حسنِ معاملہ' و بقائے عہد' کشادہ نگہی' وسعت ظرف' تحمل' بردباری' پاکیزگیٔ خیالات' عفتِ قلب و نظر' یہ ہمارے امتیازی نشانات ہونے چاہئیں کہ قرآن فہمی کا فطری نتیجہ یہی ہے۔

چاہتا صرف یہ ہوں کہ اکابرینِ تحریک ٹھنڈے دل سے سوچیں اور تعلیم کے ساتھ ساتھ افرادِ تحریک کے تزکیۂ نفس کا اہتمام بھی کریں ورنہ قرآن کے الفاظ میں بات وہی نہ ہو کہ یہ لوگ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سراج الدین احمد (اسلام آباد)

سود، انٹرسٹ اور ربو

(ایک تقابلی جائزہ)

تحریک پاکستان کے لئے تمام تر جدّوجہد کا جذبۂ محرکہ یہ تھا کہ مسلمانانِ ہند اپنے لئے الگ خطۂ زمین حاصل کر کے وہاں قرآنی احکامات کی روشنی میں ایک اسلامی مملکت کی داغ بیل ڈال سکیں۔ چنانچہ جب یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور پاکستان معرضِ وجود میں آگیا تو ملکی حالات اس قدر دگرگوں تھے کہ فوری طور پر ان کو سنبھالا دینا حکومت کی توجہ کا اولین مرکز رہا۔ دراصل تقسیمِ ہند کا عمل اس قدر ہنگامہ خیز تھا کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ نہ صرف لاکھوں جانوں کا نذرانہ دینا پڑا بلکہ ان نامساعد حالات میں بڑے پیمانے پر آبادی کی منتقلی سے حکومتی نظام پر غیر معمولی دباؤ پڑا۔ ایسے میں تو محض مہاجرین کی ابتدائی آباد کاری کے لئے عارضی انتظامات کئے جا سکتے تھے اور شعوری طور پر نظام اسلام قائم کرنے کے لئے سنجیدہ کوششیں پس پشت رہ گئیں۔

مزید برآں قائداعظم کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ قیامِ پاکستان کے ایک سال بعد ہم سے جُدا ہو گئے۔ مختلف مواقع پر ان کے فرمودات و ارشادات سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ اسلامی نظام کے خدوخال اور بنیادی ڈھانچے کے بارہ میں وہ قطعی طور پر صاف اور غیر مبہم تصور اور علم رکھتے تھے۔ ان کے بعد پاکستان جس قسم کے حالات سے دوچار رہا یہ ظاہر ہوا کہ ان کے رفقائے کار یا تو اسلام کے متعلق نہایت محدود علم رکھتے تھے یا پھر وہ اس کے نفاذ کے لئے نہ تو سنجیدہ تھے اور نہ مخلص۔ کیونکہ ایک طرف تو دستور سازی کا کام نہایت ست رفتاری سے ایک طویل عرصے تک جاری رہا اور دوسری طرف ماسوائے قراردادِ مقاصد اور کوئی قابل قدر اقدام عمل میں نہیں لایا گیا حالانکہ اس وقت پوری قوم ایک انقلاب عظیم سے گذر رہی تھی اور اسے ایسے ہنگامی حالات درپیش تھے کہ اکابرین قوم جس قسم کا نظام چاہتے اس نوزائدہ ریاست میں رائج کر سکتے تھے۔ ذہنی طور پر قوم اس کے لئے تیار تھی لیکن حیف اس سنہری موقع سے فائدہ نہ اٹھایا گیا۔ دستور سازی کے ضمن میں جو مختلف کوششیں ہوئیں وہ مقتضیات زمانہ کی مظہر ضرور تھیں لیکن حقیقی اسلامی نظام برپا کرنے سے قاصر۔

پچھلی دو دہائیوں کے دوران البتہ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کچھ حلقوں کی طرف سے اسلام کے مطابق نظام حکومت استوار کرنے کی خواہشات کا اظہار ہوتا رہا ہے اور حکومتی سطح پر بھی کچھ اقدامات اسلام کے نام پر اٹھائے گئے ہیں مثلاً اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت کا قیام۔ زکوٰۃ و عشر کا نفاذ غیر سُودی بنکاری کا اجراء وغیرہ اسی سوچ کا نتیجہ ہیں۔ آیا ان اقدامات کی وجہ سے نفاذِ اسلام کی طرف پیش رفت ہوئی ہے یا نہیں، ایک طویل بحث کا متقاضی

ہے۔ تاہم مختصراً اس بنیادی بات کو ملحوظ خاطر رکھنا ہو گا کہ اسلام کو مجموعی اور کلی طور پر اختیار کرنا ہو گا۔ قرآن کے دوسرے پارہ میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر 208 جو درج ذیل ہے' سے ایسا صاف ظاہر ہوتا ہے **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً**.....

ٹکڑوں ٹکڑوں میں اسلام نافذ کرنے کی کوششیں بے نتیجہ رہیں گی۔ اسلام کے مثبت اثرات تبھی ظہور پذیر ہونگے جب معاشرہ مکمل طور پر قرآن میں دیئے ہوئے خطوط پر متشکل ہو گا۔

عنوان زیر نظر پر بحث کا مقصد یہ ہے کہ ربٰو کے اصل مفہوم اور اس کی مختلف اشکال کو اُجاگر کیا جائے۔ اردو میں سُود اور انگریزی میں انٹرسٹ کی اصطلاحیں کم و بیش ربٰو کی کی طرف بیان کرتی ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام میں تو سُود کو اساسی حیثیت حاصل ہے دیکھنا یہ ہے کہ اسلام میں اس کا کیا مقام ہے؟ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آج کل سُود جو زیادہ تر بنک انٹرسٹ کی شکل اختیار کر گیا ہے تجارتی عمل کا حصہ اور نتیجہ ہونے کے سبب ربٰو کے زمرہ میں نہیں آتا ہے۔ ظاہر الوار پر یہ دلیل کافی وزنی لگتی ہے لیکن اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے اور ربٰو کے مفہوم کو پیش نظر رکھا جائے تو بنک انٹرسٹ اپنی ماہیت کے لحاظ سے ربٰو کی ہی ایک صورت ہے' کیونکہ سرمایہ یا اصل زر پر جو بھی بڑھوتری ہو گی دراصل ربٰو کی ہی شکل ہو گی۔ لہٰذا سُود یا بنک انٹرسٹ بھی ربٰو کی اس تعریف سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتے' خصوصاً اس وجہ سے کہ تجارت کی طرح اس میں انسان کی اپنی کاوش شامل نہیں ہوتی اور جب تک یہ اصول کارفرما رہے گا خواہ حالات' عوامل اور اشکال مختلف ہی کیوں نہ ہوں سرمایہ میں اس طور اضافہ ربٰو ہی متصور ہو گا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ خداوند کریم جو علیم و خبیر ہے' سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ ایک وقت آئے گا جب انسانی معاشرہ میں ذاتی ضروریات کے علاوہ تجارتی ضروریات کے لئے قرض لینا ایک عام روش ہو جائے گی۔ لہٰذا اگر باری تعالیٰ کو دونوں صورتوں میں تفریق کرنا مقصود ہوتا تو لازماً کسی دوسری اصطلاح کا ذکر آتا۔ لیکن اس صورت حال کے علی الرغم فقط ربٰو کو ایک مطلق اصطلاح کے طور پر قائم رکھا گیا ہے۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سرمائے کے استعمال کی نوعیت کچھ بھی ہو' جب کبھی اس میں محنت کے براہِ راست عمل دخل کے بغیر اضافہ ہو گا' ربٰو ہی ہو گا' خواہ اسے کوئی بھی نام دیا جائے۔

ربٰو عربی کا لفظ ہے اور قرآنی اصطلاح ہے جبکہ انٹرسٹ انگریزی کی اصطلاح ہے لیکن اپنے اثر اور منشائے الٰہی کے لحاظ سے متبادل اصطلاحیں ہیں۔ دو زبانوں کی ان صطلاحوں کے ظاہری فرق سے جو ابہام پیدا ہوتا ہے اس کا دُور کیا جانا ضروری ہے۔ اسلامی نظام میں ربٰو یا انٹرسٹ کی ممانعت ہے لیکن نظامِ سرمایہ داری میں اس کی حیثیت بنیادی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام میں انٹرسٹ کو در اصل سرمایہ کا معاوضہ تصور کیا جاتا ہے اور کافی زمانہ گذر جانے کے باوجود سرمایہ داری کے نظام میں اس کے مقام پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ مختلف ادوار میں جو تاریخ معاشیات میں گذرے ہیں۔ مثلاً مکمل طور پر آزاد اور بیرونی مداخلت سے مبرّا معیشت۔ خالصتاً تجارتی بنیاد پر استوار معیشت۔ کلاسیکی و نیم کلاسیکی اور جدید

معاشیات کے ادوار میں انٹرسٹ کی بنیادی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

جہاں تک معاوضہ کا تعلق ہے تو یہ صرف اور صرف محنت کا ہو سکتا ہے خواہ یہ محنت جسمانی ہو یا دماغی۔ سرمایہ جیسی بے جان شے' جو از خود کچھ کرنے کے قابل نہ ہو جب تک انسان اپنی محنت شامل نہ کرے' کس بنا پر معاوضے کی حق دار بن سکتی ہے؟ اگر ہم غور کریں تو موجودہ سرمایہ حقیقت میں محنت کا ہی وہ زائد حصہ ہے جو بچا لیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر جس کو سُود اور سرمایہ کہا جاتا ہے یا پیداواری عمل میں شامل کیا جاتا ہے وہ بھی درحقیقت وہ فاضل دولت ہوتی ہے جو انسان اپنی محنت کی کمائی سے بچا کر رکھتا ہے۔ چونکہ سرمایہ کو مختلف انداز میں کام میں لایا جا سکتا ہے مثلاً زمین و باغات' مکان' تعمیرات' مشین و آلات وغیرہ یہ سب سرمائے کی مختلف شکلیں ہیں لہٰذا سرمائے کی ان تبدیل شدہ اشکال سے حاصل شدہ آمدنی بھی ربٰو متصور ہو گی۔

سرمایہ دارانہ معیشت میں عاملینِ پیدائش چار ہیں جو پیداواری عمل میں حصہ لیتے ہیں اور اس کے ثمرات کی تقسیم میں شریک ہوتے ہیں۔ یعنی زمین' محنت' سرمایہ اور تنظیم (آجر جو بقیہ تینوں عاملین کو بروئے کار لاتا ہے) ان کے معاوضوں کو۔ بالترتیب لگان' اُجرت' سُود اور منافع کہا جاتا ہے بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو زمین اور سرمایہ پیداواری عمل میں شامل ضرور ہوتے ہیں لیکن ان کا استعمال مزدور کے ذریعے ہوتا ہے اور آجر اس تمام عمل کو منظم کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ آجر بھی ایک طرح کا اجیر ہی ہوتا ہے' جو اپنی محنت سے پیداوار میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ لہٰذا مختلف اعمال جو اشیاء کی قدر میں اضافے کا باعث بنتے ہیں وہ سب محنت کے مختلف رخ ہوتے ہیں۔ کارل مارکس کے فلسفہ میں بھی محنت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ عملِ پیداوار کو شروع کرنے اور جاری رکھنے کے لئے جن چار عوامل کا اوپر ذکر کیا گیا ہے دراصل یہ وہ حربے ہیں جو سرمایہ دار زیادہ سے زیادہ ہتھیا لینے کے لئے اختیار کرتا ہے۔ کیونکہ زمین کا مالک بھی وہی یا اس نے اس کو تصرف میں لانے کے اختیارات حاصل کئے ہوتے ہیں۔ سرمایہ بھی اس کا ہوتا ہے اور خود یا اس کا نمائندہ آجر ہوتا ہے۔ یہ وہ چال ہے جسے کمزور ترین عامل یعنی مزدور یا تو بھانپ نہیں پاتا یا پھر اپنے آپ کو مکمل طور پر بے بس پاتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ عملِ استحصال جاری رہتا ہے۔

قرآن میں اللہ کا فرمان ہے۔ **لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى** (آیت 39' سورہ نجم' پارہ 27)

یعنی انسان اتنے ہی حصے کا حق دار ہے جس قدر اس کی محنت کا پیداواری عمل میں دخل ہے۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ آیا سُود کے لئے زیر بحث دو اصطلاحیں "ربٰو اور انٹرسٹ" ایک ہی کیفیت کو ظاہر کرتی ہیں یا دونوں میں فرق ہے اس کے لئے بھی ہمیں رہنمائی قرآن سے لینا چاہئے۔ قرآن کے یہ الفاظ **"اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا"** (سورہ بقرہ کی آیت 275 کا حصہ' پارہ 3)۔ یعنی اللہ نے تجارت کو حلال اور ربٰو کو حرام قرار دیا ہے اور یہ لوگوں کے اس تاثر کے جواب کے طور پر کہ تجارت بھی تو سُود کی مانند ہوتی ہے۔ تجارت اس لئے حلال ہے کہ اس میں تاجر کی محنت شامل ہوتی ہے لیکن سود یا ربٰو محض سرمایہ پر بڑھوتری ہے۔ پھر اسی سورت میں ذرا آگے آتا ہے **"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا**

اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (آیت 278) فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (آیت 279)۔

مومنوں کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ یہ حکم دیتا ہے کہ حفظ خدا میں آجاؤ اور جو سُود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے تو پھر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سمجھو۔ لیکن اگر تم راہِ راست پر آجاؤ تو (سُود پر دی گئی) اصل رقم پر تمہارا حق بنتا ہے یعنی فقط اصل رقم کی واپسی پر اکتفا کرو۔ اس طرح نہ تو تم ظلم کے مرتکب ہو گے اور نہ ہی تم ظلم کا نشانہ بنو گے۔ اس سے سُود/ ربٰو کی حیثیت واضح ہو جاتی ہے یعنی قرض پر دی گئی اصل رقم کے علاوہ جو کچھ بھی زائد ہو گا سُود تصور کیا جائے گا۔ اس میں سُود کی نوعیت کے لحاظ سے کوئی تفریق نہیں خواہ ذاتی ضرورتوں کے لئے ہو یا تجارتی اغراض کے لئے اور نہ سُود کی مقدار کے لحاظ سے کوئی فرق یعنی سُود مفرد ہو یا سُود مرکب۔ کم شرح پر ہو یا زیادہ شرح پر۔ ان میں سے کسی حالت کو حُرمت سے استثناء نہیں۔

ربٰو اور انٹرسٹ پر آراء میں عدم اتفاق کی وجہ سے یہ مسئلہ نزاعی ہو کے رہ گیا ہے۔ خدشہ ہے کہ ایسا اختلاف ہر اس مسئلہ پر ممکن ہے جس کو ہم انفرادی طور پر سُلجھانے یا واضح کرنے کی کوشش کریں۔ یعنی جب تک ہم اسے اسلامی نظام کے جُزوِ لا ینفک کے طور پر نہ پیش کریں لہٰذا صحیح طریق یہ ہو گا کہ پہلے اسلامی نظام کے نفاذ کا سوچیں اور اس سے پہلے اس نظام کے خاکے پر متفق ہو جائیں۔ پھر تمام اجزاء اپنا اپنا صحیح مقام پا لیں گے اور اپنا بدیہی اثر مرتب کرنے میں کامیاب ہونگے۔

اسلامی نظام ابتداءً خلافتِ راشدہ کے دور میں قائم ہوا' اس کے بعد یہ عملاً ملوکیت میں ڈھل گیا۔ اور دنیوی آلائشوں کی نذر ہو گیا۔ اسلامی اقدام کی اساس خود قرآن فراہم کرتا ہے۔ اگر کوئی انسانی معاشرہ اپنے کو یوں منظم کرے کہ ملک میں تمام عمرانی اور سیاسی معاملات کو قرآن کی رہنمائی میں اس طرح استوار کرے کہ ہر قسم کی معاشی اور معاشرتی ناہمواریاں ختم ہو جائیں تو سمجھیں کہ ایک اسلامی فلاحی مملکت کی داغ بیل ڈال دی گئی ہے۔ لیکن یہ منزل محض خواہش اور خوش فہمی سے حاصل نہیں ہو جاتی اس کے لئے ہر فرد کو انفرادی طور پر اور معاشرہ کو مجموعی طور پر بڑے فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ بڑی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے۔ مثبت اور تعمیری اقدام لینا پڑتے ہیں۔ سب سے پہلے تعلیم کو صحیح اسلامی اقدار پر استوار کر کے قوم میں ذہنی انقلاب برپا کرنا ہو گا تاکہ اذہان ہر قسم کے تعصب اور آلائش سے پاک ہو کر قرآنی تصورات کی آماجگاہ بن سکیں۔ اور دولت کی بنا پر معاشرہ میں اعلیٰ مقام حاصل کر لینا نہ صرف ناممکن ہو جائے بلکہ اس کو عیب سمجھا جائے اور حقارت کی نظروں سے دیکھا جائے۔

اس تمام کائنات بشمول زمین کا خالق و مالک اللہ ہے لہٰذا زمین کی انفرادی ملکیت کسی طور روا نہیں۔ قرآن میں متعدد مقامات پر زمین کو اللہ کی ملکیت اور تمام ذی حیات کے لئے رزق کا سامان مہیا کرنے کا ذریعہ کہا گیا ہے۔ یہاں اس بات کا صاف اشارہ ملتا ہے کہ جملہ زمینی وسائل پر تصرف اجتماعی ہو گا نہ کہ انفرادی۔ اس ضمن میں یہ نکتہ ذہن نشین

رہنا چاہئے کہ زمین سے مراد محض اس کی سطحی شکل نہیں۔ جو زراعت اور جنگلات وغیرہ کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں بلکہ وہ تمام خزانے بھی جو اس کے اندر اور باہر اس کی وسعتوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس طرح تمام قدرتی وسائل اور اس کی وہ تمام شکلیں جو انسان کی محنت کے توسط سے معرضِ وجود میں آتی ہیں یعنی زرعی، معدنی، آبی، جنگلاتی، صنعتی استعداد کے امکانی ذرائع سب قدرتی اور قومی وسائل ہی کہلائیں گے اور مجموعی طور پر معاشرہ کی تحویل میں رہیں گے اور کسی صورت میں ان پر ذاتی اجارہ داری غیر فطری ہو گی۔

ایک اور نکتہ جس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے وہ ہے محنت، پیداواری صلاحیت اور حصولِ معاوضہ۔ موجودہ حالات میں یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ ایک فرد سارا سارا دن اپنی ہمت سے بڑھ کر کام کرتا ہے تب بھی اس کو جو معاوضہ ملتا ہے وہ اس کی ضروریات کے لئے ناکافی ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ایک دوسرا فرد بہت کم کام کرتا ہے یا بعض اوقات بالکل نہیں کرتا مگر اسے نہ صرف بہتر آسودگی کے وسائل بلکہ دنیا بھر کی نعمتیں میسر ہوتی ہیں۔ یہ دوسری قسم کے مراعات یافتہ لوگ مترفین کا گروہ ہوتا ہے جو دوسروں کی محنت پر عیش کرتا ہے یا پھر اگر کام کرتا بھی ہے تو اپنے استحصالی کردار کو جاری رکھنے کے لئے۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ تقسیم کار اور معاوضات اسلامی مساوات و عدل کی روشنی میں طے نہیں کئے جاتے۔ یہ بات اپنی جگہ بجا کہ افراد استعداد کے لحاظ سے یکساں نہیں ہوتے۔ افراد کے مابین رجحان اور کارکردگی میں فرق قدرتی طور پر ہوتا ہے اور اس میں یہ نکتہ مضمر ہے کہ تقسیم کار میں آسانیاں پیدا ہوں اور یوں کاروبارِ حیات چلتا رہے۔ تاہم اس فرق کی وجہ سے یہ نہیں ہونا چاہئے کہ کم استعداد کے مالک افراد کی ضروریات بھی پوری نہ ہوں۔ فرد اور معاشرہ کے مابین اس سلسلہ میں جو اصول کارفرما ہونا چاہئے وہ یہ کہ فرد اپنی پوری پوری صلاحیت سے اپنے فرائض کو سرانجام دے اور معاشرہ اس کی ضروریات کی ذمہ داری پوری کرے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ جس طرح مختلف افراد کی صلاحیتوں میں فرق ہوتا ہے یا کام کی نوعیت میں فرق ہوتا ہے اسی طرح ان کی ضروریات کی مقدار اور نوعیت میں بھی فرق ہو سکتا ہے۔ ان خصوصی باتوں کا خیال معاشرہ کو کرنا ہو گا۔ اس پر مستزاد یہ کہ بنی نوعِ انسان نہ صرف عددی لحاظ سے وسعت پذیر ہو گیا ہے بلکہ انواع و اقسام کے مسائل کا ایک لامتناہی سلسلہ انسانی زندگی کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ قرونِ اولیٰ اور قرونِ وسطیٰ کے برخلاف آج کل حکومتی ذمہ داریوں میں اتنا اضافہ ہو گیا ہے جن سے نمٹنے کے لئے بہت زیادہ وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ معاشرہ کو ان مختلف النوع ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کثیر وسائل پر قدرت حاصل ہونا چاہئے اور یہ تبھی ممکن ہے جب وسائلِ پیداوار اس نظام کے تصرف میں ہوں جو افرادِ معاشرہ کی انفرادی اور اجتماعی ضروریات کا انتظام و انصرام کرتا ہے۔ قرآنِ کریم میں خدا کا ارشاد ہے کہ اللہ نے مومنوں سے جنت کے بدلے ان کی جانوں اور ان کے مال کا سودا کر لیا ہے قرآنی آیت یوں ہے **إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ** (آیت 111، سورہ توبہ، پارہ 11)۔ قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ جب

کبھی خدا اپنے بندوں سے کسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب قطعی نہیں ہوتا کہ خدا کو خود اس چیز کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ اشارہ اسلامی معاشرہ کی طرف ہوتا ہے کیونکہ ایسے معاشرہ کے ذریعے سے ہی وہ اپنے احکامات پر عملدر آمد کرواتا ہے۔

انفاق ایک قرآنی اصطلاح ہے جس کا مطلب ہے دوسروں کو اپنی کمائی میں سے دینا' ان پر خرچ کرنا یا اپنے وسائل کو دوسروں کے لئے کھلا رکھنا۔ بیشمار مقامات پر اس کی تاکید کی گئی ہے اور اس عمل اور شعار کو متقین کی ایک صفت قرار دیا گیا ہے۔ **ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ** (آیت 2' سورہ بقرہ' پارہ 1)۔ جہاں تک اس انفاق فی سبیل اللہ کی حد کا تعلق ہے تو دوسری جگہ ارشاد ہے۔ **يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ** (حصہ آیت 219' سورہ بقرہ' پارہ 3)۔ اس کا مطلب یہ بنتا ہے (رسولؐ کریم کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ) یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ (فی سبیل اللہ) کتنا خرچ کیا جائے تو ان کو کہہ دیجئے کہ اپنے اخراجات سے زائد سب کا سب۔ ظاہر ہے اسلامی حکومت میں یا تو اُجرتوں کا تعین اس انداز سے ہو گا کہ فرد کے پاس غیر ضروری بچت کی گنجائش ہی نہیں ہو گی اور اگر ایسی گنجائش ہو تو اس کو حکومت کے خزانے میں جمع کر دینے کیلئے کوئی طریقہ ضرور وضع کیا گیا ہو گا۔ کیونکہ ان صورتوں میں انفاق کی ذمہ داری حکومت پر منتقل ہو جاتی ہے۔ لیکن جب اسلامی نظام نافذ نہ ہو تو بچت کو فی سبیل اللہ خرچ کرنا فرد کی اپنی صوابدید پر ہو گا' بلکہ اس کے لئے بھی اللہ نے رہنمائی کر دی ہے' کہ کہاں خرچ کیا جائے۔ چنانچہ سورہ بقرہ کی آیت 215 میں ان مدوں کا ذکر یوں کیا گیا ہے **يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَابْنِ السَّبِيْلِ**..... نفاذِ اسلام کے سلسلہ میں بنیادی حیثیت کا حامل اللہ تعالیٰ کا وہ حکم ہے جس کا ذکر شروع میں کیا گیا ہے یعنی **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً** سورہ بقرہ کی آیت 208 کا حصہ' پارہ 2)' یعنی اسلام کو قبول کرنا ہے تو کُلّی طور پر اور مکمل صورت میں نیم دلی سے یا قسط وار نہیں جیسا ہمارے ہاں ہو رہا ہے۔ عشر و زکوٰۃ نافذ کر کے (جو پوری آبادی پر لاگو نہیں) بنک کے انٹرسٹ (سود) کا نام نفع و نقصان میں تبدیل کر کے۔ شرعی وفاقی عدالت کا قیام جو ایک لحاظ سے متوازی نظام ہے' مروجہ ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ کے نظام کا۔ ذرا غور تو کریں کہ ہم ان اقدامات سے کر کیا رہے ہیں؟ یہ پیوند کاری کر کے ہم اپنے تئیں یہ سمجھ رہے ہیں کہ اسلام کی خدمت کر رہے ہیں جبکہ ہمارا سیاسی اور معاشی نظام مکمل طور پر سرمایہ دارانہ ہے۔ یہ سب کچھ کیا ہیں؟ گریز کی راہیں!

مذکورہ بالا حوالہ جات سے اسلامی نظام کے خدوخال کا ہیولیٰ سا ضرور ذہن میں بن جاتا ہے۔ اس نظام میں تمام وسائلِ پیداوار حکومت کی تحویل میں ہونگے جو افراد معاشرہ کی تمام ضروریات جن میں روٹی' کپڑا' مکان ہی نہیں بلکہ تعلیم' صحت اور وہ تمام سہولیات جن کے لئے افرادِ قوم مفید اور کارآمد شہری کی زندگی گزار سکیں۔ تصور کریں ایک ایسا انسانی معاشرہ جس میں پوری آبادی کی تمام احتیاجات بلکہ تفکرات بھی اسلامی حکومت اپنے ذمہ لے

کتنے چین کا زمانہ ہو گا' نہ صرف عوام یکسوئی سے کام کر سکیں گے بلکہ چوری چکاری ختم ہو جائے گی۔ لوگوں کے پاس وافر سرمایہ نہیں ہو گا لہٰذا استحصال کے مواقع نہیں رہیں گے۔ یعنی نہ ایسا مواد رہے گا اور نہ ہی وہ محرکات جن سے جرائم جنم لیتے ہیں اور پرورش پاتے ہیں۔ سُود خود بخود ختم ہو جائے گا۔ دراصل سُود اور وراثت جیسے مسائل ہیں ہی عبوری دور کے۔ اسلامی معاشرہ میں تو ان کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ افراد کی ملکیت میں روز مرہ کے استعمال کی اشیاء تک محدود ہونگی۔ ایسی اشیاء کی فہرست میں کمی و بیشی معاشی خوشحالی یا زبوں حالی کے مطابق ہوتی رہے گی۔

بعض ذہنوں میں یہ اعتراض یا سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ وسائلِ پیداوار میں اجتماعیت یا مرکزی کنٹرول کا یہ تصور تو اشتراکیت سے مماثلت رکھتا ہے۔ ظاہر بیں نظروں کو تو ایسا ہی لگے گا۔ اسلام اشتراکیت سے بہت پہلے آیا اس لئے یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ اشتراکیت نے اسلام سے استفادہ کیا ہے یا کچھ تصورات مستعار لئے ہوں' لیکن حقیقت یہ ہے کہ اشتراکیت نے جو فلسفہ اختراع کیا ہے وہ تجربات کے نتیجہ کے طور پر اُبھرا ہے' نہ کہ قرآن کی رہنمائی سے۔ اسی لئے روس میں 70 سالہ عمل درآمد کے باوجود اشتراکیت ایک مثالی فلاحی معاشرہ قائم کرنے میں نہ صرف بری طرح ناکام ہو گئی بلکہ آخر کار سرمایہ دارانہ نظام کے آگے دم توڑ گئی۔ ایسا ہونا تشویش کی بات نہیں کیونکہ ہر باطل بالآخر مٹ کر رہتا ہے۔ ایک دن آئے گا جب نظامِ سرمایہ داری بھی وقت کے ہاتھوں مفقود ہو جائے گا۔

ایک لحاظ سے روس میں اشتراکیت کی ناکامی دراصل وہاں کے حکمرانوں کی ناکامی ہے جو اس کو صحیح طور پر نافذ نہ کر سکے۔ وہاں حکومت عوام کی تھی ہی نہیں۔ بلکہ کمیونسٹ پارٹی کے ان چند لاکھ ممبران کی تھی جو طاقت کا اصلی سرچشمہ تھے۔ نام نہاد آزاد اور جمہوری ممالک میں بھی حکومت تو سرمایہ داروں کی ہوتی ہے' عوام تو نانِ شبینہ کے چکر میں رہتے ہیں۔ ترقی پذیر ممالک میں حالت مزید دگرگوں ہوتی ہے اس لئے کہ وہاں پر سرمایہ داروں کی اعانت کے لئے ان کے بھائی بند زمیندار۔ جاگیردار اور بیورو کریٹ آجاتے ہیں۔ اسلام کا المیہ بھی یہی ہے کہ ماسوائے ابتدائی چند دہائیوں کے' آج تک چودہ سو سال میں خدا کا کوئی ایسا بندہ نہیں آیا جو صحیح معنوں میں نظامِ اسلام کو عملاً متشکل کر کے دنیا کے لئے' مثال قائم کرتا۔ اگر تاریخ کے کسی دور میں کچھ کوشش ہوئی بھی تو مخالف عناصر کی ملی بھگت نے اسے ناکام بنا دیا۔ اسلام جیسا نظامِ حیات قائم کرنے کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ پہلے ذہنی انقلاب لایا جائے جو صحیح اسلامی تعلیم کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ دیکھیں یہ سعادت کس ملک کے حصہ میں آتی ہے خدا کرے مملکتِ خداداد پاکستان کو بارش کا پہلا قطرہ بننا نصیب ہو۔ آمین۔

جب تمام مسلمان ملکوں میں اسلامی فلاحی معاشرے قائم ہو جائیں گے تو سُود کی لعنت سے مکمل طور پر چھٹکارہ مل جائے گا اور باہمی تجارتی روابط بھی سُود سے پاک ہونگے۔ البتہ دیگر غیر اسلامی حکومتوں اور بین الاقوامی اداروں کے ساتھ معاشی مراسم قائم اور جاری رکھنے میں انٹرسٹ کے بغیر چارہ نہیں ہو گا۔ ایسی صورت حال ایک معروضی کیفیت کی مظہر ہو گی اس لئے مصلحتاً بین الاقوامی اور عالمی سطح پر مالی

اور تجارتی روابط کی خاطر سود کے جواز کو عصری ضرورت کے طور پر مان لینے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن ایسا اجتہادی عمل اور اجماع امتہ کے نتیجہ کے طور پر ہونا چاہئے۔

یقین کامل ہے کہ اسلامی فلاحی مملکتوں کے قیام کے بعد اور ان حکومتوں کے اقدامات سے عامتہ الناس کی سیاسی' معاشی اور سماجی زندگیوں میں جو مثبت نتائج مرتب ہونگے ان سے متاثر ہو کر دیگر اقوام عالم بھی یہ راہ اختیار کر لیں گی اور غالباً یہی وہ زمانہ ہو گا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے **اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا** (آیت 69' سورہ زمر' پارہ 24)۔ یعنی یہ زمین اپنے ربّ کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔

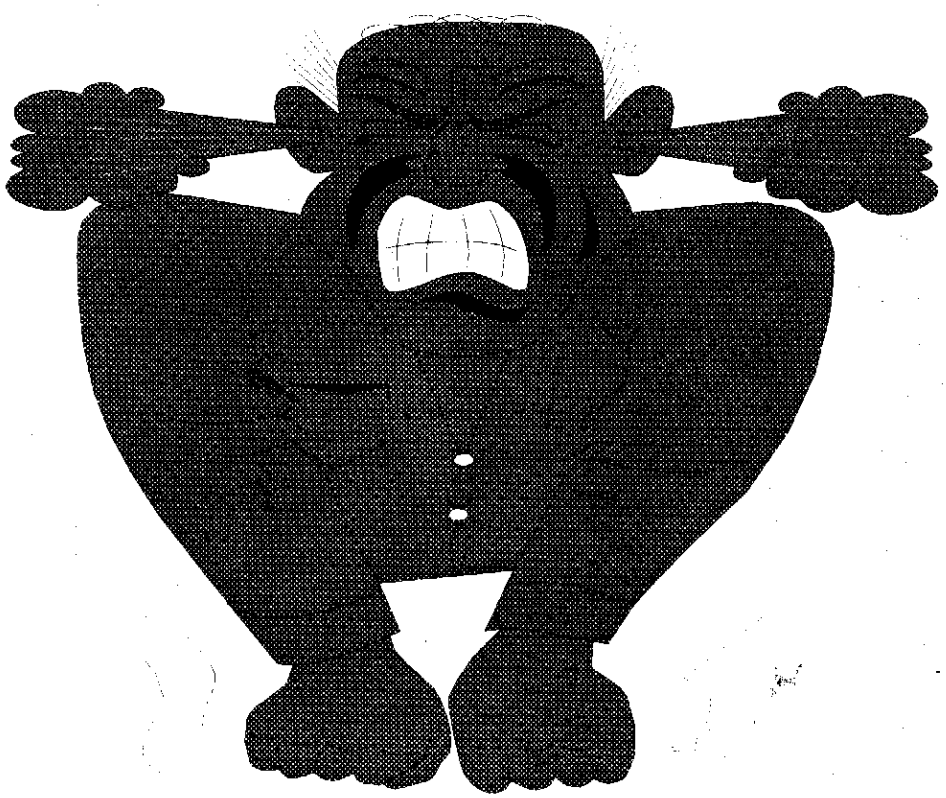

والکاظمین الغیظ

اور جب غصہ آئے تو بڑھی ہوئی حدت کو کسی دوسری طرف منتقل کر دو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

شریعت اسلام میں مرد اور عورت کا رتبہ

[علامہ اقبالؒ کی تقریر جو انہوں نے 7 جنوری 1929ء کو انجمن خواتینِ اسلام، مدراس کی طرف سے ان کی خدمت میں پیش کئے گئے سپاس نامہ کے جواب میں ارزاں فرمائی۔ (مدیر)]

میں آپ کے ایڈریس کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ اگر میری تحریروں نے خواتین کے دلوں میں اسلامی روایات کا احترام پیدا کیا ہے تو ربِّ کعبہ کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ میرا یہ عقیدہ رہا ہے کہ کسی قوم کی بہترین روایات کا تحفظ بہت حد تک اس قوم کی عورتیں ہی کر سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی وجوہ ہیں جن کی بنا پر میں آپ کے ایڈریس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ اگرچہ انحطاط کے دور میں عورت کے حقوق سے بے پروائی ہوئی، مسلمان مردوں نے مسلمان عورتوں سے تغافل برتا، لیکن عورت باوجود اس تغافل کے اپنا منصب پورا کرتی رہی۔ کوئی ایسا شخص نہ ہو گا جو اپنی ماں کی تربیت کے اثرات اپنی طبیعت میں نہ پاتا ہو یا بہنوں کی محبت اس کے دل پر اپنا نشان نہ چھوڑتی ہو۔ وہ خوش نصیب شوہر، جن کو نیک بیویاں ملی ہیں، خوب جانتے ہیں کہ عورت کی ذات مرد کی زندگی کے ارتقاء میں کس حد تک اس کی ممد و معاون ہے۔"

مجھے یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ اسلام میں مرد و زن میں قطعی مساوات ہے۔ میں نے قرآن پاک کی آیت سے یہی سمجھا ہے۔ بعض علماء مرد کی فوقیت کے قائل ہیں۔ جس آیت سے شک کیا جاتا ہے، وہ مشہور ہے: "اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ"۔ عربی محاورے کی رُو سے اس کی یہ تفسیر صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے۔ عربی گرامر کی رو سے قائم کا صلہ جب علیٰ پر آئے تو معنی محافظت کے ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسری جگہ قرآن حکیم نے فرمایا: "هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ"۔ لباس بھی محافظت کے لئے ہوتا ہے۔ مرد عورت کا محافظ ہے۔ دیگر کئی لحاظ سے بھی مرد اور عورت میں کسی قسم کا فرق نہیں۔

قرونِ اولیٰ میں عورتیں مردوں کے دوش بدوش جہاد میں شریک ہوئیں۔ حضرت عائشہؓ پردہ میں بیٹھ کر لوگوں کو درس دیتی رہیں۔ خلفائے عباسیہ کے عہد میں ایک موقع پر خلیفہ کی بہن قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور تھیں اور خود فتویٰ صادر کرتی تھیں۔ اب یہ مطالبہ ہے کہ عورت کو ووٹ کا حق ملنا چاہیے۔ خلافتِ اسلامیہ میں خلیفہ کے انتخاب میں ہر شخص کو رائے دینے کا حق حاصل تھا، نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی خلیفہ کے انتخاب میں اپنی آواز رکھتی تھیں۔ اسلام تمام معاملات میں اعتدال کو مدنظر رکھتا ہے: "اُمَّةً وَسَطًا" لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلٰى

النّاس" اس کا مطلب یہی ہے کہ تمام افراط و تفریط سے پرہیز کیا جائے۔

تمام مسائل کے حل کرنے میں علماء نے اعتدال کے طریق کو بطور اصل الاصول ملحوظ رکھا۔ انسانوں کی زندگی مدنی ہے۔ یعنی انسان مل کر زندگی بسر کرتے ہیں، اس لئے انسانوں کی مختلف جماعتوں سے مختلف فرائض متعلق ہیں۔ ایک سلسلۂ فرائض، انسانی زندگی میں مردوں کا ہے اور ایک عورتوں کا۔ یہ فرائض بعض تو خدائی احکام کی رُو سے ہیں اور بعض خود وضع کردہ ہیں۔ بعض فطری طور پر ہیں۔ عورت کے بحیثیت عورت اور مرد کے بحیثیت مرد، بعض خاص علیحدہ علیحدہ فرائض ہیں۔ ان فرائض میں اختلاف ہے، مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ عورت ادنیٰ ہے اور مرد اعلیٰ۔ فرائض کا اختلاف اور وجوہ پر مبنی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں تک مساوات کا تعلق ہے، اسلام کے اندر مرد و زن میں کوئی فرق نہیں۔ مدنی ضروریات کی وجہ سے فرائض میں اختلاف ہے۔ مدنی زندگی کے لئے جو احکام ہوں گے، وہ فرائض کو مدنظر رکھ کر ہوں گے۔

اگر آپ ان حقوق پر نظر ڈالیں جو اسلام نے عورتوں کو دیئے ہیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ اس مذہب نے عورت کو کسی طرح مرد سے ادنیٰ درجہ پر نہیں رکھا۔ سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ ماں بچوں کی وراثت کا حق رکھتی ہے۔ سب سے اول اسلام ہی نے اس امر کا اعلان کیا کہ عورت اپنی علیحدہ جائیداد کا حق رکھتی ہے۔ یورپ کے کئی ملکوں میں اب تک آپ کی بہنوں کو علیحدہ جائیداد کا حق حاصل نہیں۔ غالباً 1870ء تک انگلستان میں عورت جائیداد کی مالک نہ تھی۔ اس کی جائیداد نکاح کے وقت خاوند کی جائیداد میں جذب ہو جاتی تھی۔ 1888ء میں کوئی انگریز اپنی مرحوم بیوی کی بہن سے شادی نہیں کر سکتا تھا۔ اسلام میں اس قسم کی شادی کی اجازت شروع سے ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ اولاد کی ولایت کا حق انگریز ماں کو اس وقت تک بھی نہیں۔ اسلام میں یہ حق ہمیشہ سے موجود ہے۔ ان تمام امور میں یورپین قومیں یا تو اسلام کا تتبع کر رہی ہیں یا خود فطرت نے اب انہیں اس طرف توجہ دلا دی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یورپ نے بھی وضع قانون کے معاملے میں اسلام سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ یورپ میں طلاق کا حاصل کر لینا مشکل تھا۔ مسلمانوں میں یہ شکایت کبھی خاص طور پر پیدا نہیں ہوئی۔

اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام میں عورت کو (مرد کی طرح) طلاق دینے کا حق نہیں۔ حال میں ترکی میں یہی اعتراض کیا گیا۔ لیکن ہم تو محکوم ہیں، اپنی مرضی کے مطابق اپنی تعلیم کو نہیں چلا سکتے۔ تعجب ہے کہ ترکی میں بھی اس اعتراض کا جواب نہ دیا گیا۔

اسلام نے اس مسئلے کو عجیب طرح بیان کیا ہے۔ جو حل اسلام نے اس مسئلہ کا تجویز کیا ہے، وہ نہایت عمیق تجربے پر مبنی ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ ہمارے علماء نے کبھی اس بات کی توضیح ہی نہیں کی کہ نکاح کے وقت عورت کہہ سکتی ہے کہ جو حق اسلام نے طلاق کا تم کو (مرد کو) دیا ہے، وہی اس وقت مجھے (عورت کو) دے دو تو پھر نکاح ہو گا یا یہ حق میرے کسی قریبی تعلق والے کو دے دیا جائے۔ پنجاب میں آج سے دس سال پہلے کسی کو معلوم نہ تھا کہ عورت کو نکاح کے وقت یہ حق بھی حاصل ہے اور نہ جہالت کی وجہ سے آج تک اس نے دریافت ہی کیا۔ جب انگلستان میں طلاق کی اجازت

ہوئی تو بیشتر عورتیں ہی تھیں جنہوں نے عدالتوں میں طلاق کی درخواستیں دینا شروع کر دیں حالانکہ سمجھا یہ جاتا ہے کہ مرد عورت کو بہت جلد طلاق دے دیتا ہے۔

آپ نے اپنے لئے ایڈریس میں اسیرانِ قفس کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان سے مجھے مغربی عورتوں کی اس تحریک کا خیال ہوا جسے ترکی میں یا اور جگہ یورپ میں ایمنسی پیشن (Emancipation) یعنی (مردوں کے غلبہ سے آزادی) کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جن باتوں کو لفظی قیود سے تعبیر کیا جاتا ہے' وہ اپنی اصل میں قیود ہیں یا نہیں۔ اگر مصطفیٰ کمال پاشا کے خیال کے مطابق یہ قیود اُٹھا بھی دی گئیں تو آخر نتیجہ کیا دیکھنے میں آرہا ہے۔ ابھی چند دن ہوئے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ حکومت ترکیہ کو معلوم ہوا ہے کہ عورتوں میں خودکشی کے واقعات بہت بڑھ رہے ہیں۔ عورت خود زندگی کا سرچشمہ ہے۔ اگر عورت ہی زندگی سے بیزار ہو جائے تو پھر زندگی کے آگے بڑھنے کے کیا امکان باقی رہ گئے۔ اس معاملہ کی تحقیق کے لئے ترکی نے کمیشن بٹھایا۔ پھر اپنے علماء کو جو اس قدر موردِ عتاب تھے' بُلا کر کہا کہ اپنے وعظوں کے ذریعے عورتوں کو سمجھائیں کہ اسلام میں خودکشی گناہ ہے۔ یہ نتیجہ ہوا ایمنسی پیشن کا ترکی میں! میں حیران ہوتا ہوں کہ جب عورتوں نے تمام ان باتوں سے' جن کو وہ قیود کہتی تھیں' آزادی حاصل کر لی تو پھر خودکشی پر کیوں آمادہ ہوئیں۔ انگلستان میں بیشتر عورتوں کو طلاق کے لئے عدالتوں میں جانا اور ترکی میں خودکشی کی وارداتوں کا ہونا ایسے دو اہم واقعات ہیں کہ ہمیں ان کی علتوں پر گہری نظر سے غور کرنا ہو گا۔ یہ مشکل مسئلہ ہے اور بغیر انسانی فطرت کے گہرے اور صحیح مطالعہ کے اس کے حل پر پہنچنے کی امید کرنا مشکل ہے۔

انسانی زندگی کی رہنمائی کے لئے انبیاء کے طبقے سے بڑھ کر اور کوئی طبقہ مفید نہیں ہو سکتا۔ اس وقت بھی دنیا کی آبادی کا بیشتر حصہ انبیاء کے زیرِ ہدایت زندگی بسر کر رہا ہے۔ ہمیں دیکھنا ہو گا کہ جو قوانین انبیاء نے وضع کیے ہیں' وہ کن حکمتوں پر مبنی ہیں۔ قرآن پاک نبی اکرم صلعم کی تعریف میں فرماتا ہے: "یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ"

آپ کو غور کرنا چاہیے کہ حکمت کے کیا معنی ہیں۔ احکام انبیاء کے اندر کیا حکمتیں مضمر ہیں۔ انبیاء نے زندگی کے جس قدر احکام ہمیں دیئے ہیں' وہ مختلف حالات کو مدنظر رکھ کر وضع کیے گئے ہیں۔ پردہ کے متعلق اسلام کے احکام صاف اور واضح ہیں۔ "غَضِّ بَصَرٌ" کا حکم ہے اور وہ اس لیے کہ زندگی میں ایسے وقت بھی آتے ہیں جب عورت کو غیر محرم کے سامنے ہونا پڑتا ہے۔ خاص اس وقت کے لئے یہ حکم ہے' دیگر حالات کے لئے اور احکام ہیں۔ پردے کے سلسلے میں اسلام کا عام حکم عورت کو یہ ہے کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کرے۔

ان تمام امور میں شریعتِ اسلامی نے ایک عام اصول کو ہمیشہ مدنظر رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ "الدین یسر"۔ پھر اسلام میں تعدد ازدواج کا حکم نہیں دیا گیا' محض اجازت ہے۔ زندگی میں ایسے حالات یقیناً پیدا ہوتے ہیں جب تعدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ مسلمان مردوں نے اس اجازت سے بے جا فائدہ اٹھایا۔ اس میں اصول و قوانین کا کیا قصور؟ جس سوسائٹی میں اس قسم کی اجازت نہ ہو'

اس کو ضرورت کے وقت جن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے' اس سے آپ ناآشنا نہیں۔ جرمنی میں ایک موقع پر یہ ضرورت پیش آگئی تھی۔ آخر عہد نامہ ویسٹ فیلیا (Westphalia) میں بیس سال کے واسطے ہر مرد کے لئے تعدد ازدواج جائز قرار دیا گیا۔

جب جنگ میں کسی قوم کے مردوں کی تعداد میں خاص کمی واقع ہو جائے تو آئندہ ملکی حفاظت کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ایک مرد ایک سے زائد بیویاں کرے۔ قرآن پاک نے انہی مصالح کو ملحوظ رکھ کر اس قسم کی اجازت دی ہے۔ مردوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ حالات کو دیکھیں۔ قرآنی یا شرعی اجازت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں۔ اس لئے فقہ میں "فرض" اور "رخصت" میں فرق کیا گیا ہے۔ "رخصت" ترک کی جا سکتی ہے۔ "فرض" ہرگز نہیں۔ اگر نکاح کے وقت عورت مرد سے یہ مطالبہ کرے کہ تم اس رخصت کو اپنے حق میں ترک قرار دو' جو تعدد ازدواج کے بارے میں از روئے قرآن تمہیں حاصل ہے' تو وہ اس مطالبہ کا حق رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک الزام میں لڑکیوں کے باپوں کو بھی دوں گا کہ وہ نکاح کے وقت عورتوں کے حقوق پر نگاہ نہیں رکھتے مگر ایک الزام خود عورتوں کو بھی دیئے بغیر نہیں رہ سکتا' وہ یہ کہ کیوں بوقتِ ضرورت عورتیں مردوں سے قانونی ذریعہ سے حقوق کا مطالبہ نہیں کرتیں؟ کیوں بھائیوں سے جائیداد کا حصہ طلب نہیں کرتیں؟

افسوس ہے کہ ہندوستان میں اسلامی قانون کی عدالتیں قائم نہیں تاکہ یہ معاملے شریعتِ اسلامی کے ذریعہ سے طے ہوں۔ میں نے تو اب کے سر جان سائمن سے بھی کہا کہ مسلمانوں کے لئے ہندوستان میں خانگی تنازعات کے تصفیہ کے لئے اسلامی عدالتیں قائم ہونی چاہئیں۔ گذشتہ پانچ یا چھ سو سال سے شریعتِ اسلامیہ جامد رہی ہے۔ انگریزی قانون والے شریعتِ اسلامی کو نہیں سمجھ سکتے۔ چند فقہ کی کتابیں مشہور ہیں جو آج سے پانچ سو سال قبل لکھی گئی تھیں۔ اس وقت جو فتوے دیئے گئے' وہ ان حالات کے مطابق تھے۔ آج حالات اور ہیں۔ اب ان حالات کو ملحوظ رکھ کر شرعی مسائل پر غور کرنا چاہیے۔

جیسا کہ آپ نے اپنے ایڈریس میں کہا' ایک حد تک ضرور مردوں کا قصور ہے۔ مگر ایک دوسری حد تک آپ کا بھی ہے۔ کیوں نکاح کے وقت آپ کے والدین نے لائق اور حقیقت فہم علماء سے آپ کے حقوق کے متعلق مشورہ نہیں کیا؟ جن بہنوں کی شادی ابھی نہیں ہوئی' وہ اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے اپنے والدین سے اصرار کریں۔ اگر عورتیں اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے پورے طور سے آمادہ ہو جائیں اور وہ حق جو شریعتِ اسلامی نے عورتوں کو دے رکھے ہیں' آپ مردوں سے لے کر رہیں تو میں سچ کہتا ہوں کہ مردوں کی زندگی تلخ ہو جائے۔ عورتیں بچے جننے کی اُجرت طلب کر سکتی ہیں' کھانا پکانے کی اُجرت بذریعہ عدالت حاصل کر سکتی ہیں۔ مردوں کو آپ الزام دیتی ہیں' مگر آپ خود الزام سے بری نہیں ہیں۔ آپ کو اپنے حقوق پر شدت کے ساتھ اصرار کرنا چاہیے۔ جہاں تک شریعتِ اسلامی کا تعلق ہے' مسلمان عورتیں یہ شکایت نہیں کر سکتیں کہ انہیں شریعت نے حقوق نہیں دیئے یا وہ حقوق ایسے ہیں جن سے انہیں مردوں کے ساتھ مساوات کا درجہ حاصل نہیں۔ وہ حق' جس کا عورت انصاف و عقل کے ساتھ کبھی مطالبہ کر سکتی ہے' وہ قرآنِ پاک

نے دے دیا ہے۔ اگر آپ اس سے جاہل و غافل رہیں یا اس سے فائدہ نہ اٹھائیں یا اس کے حاصل کرنے پر اصرار نہ کریں' بوقت ضرورت قانونی چارہ جوئی نہ کریں تو یہ قرآن یا شریعتِ اسلام کا قصور نہیں۔

تُرکوں نے' جیسا کہ سننے میں آرہا ہے' بظاہر ایسے قانون بنائے ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں مگر ترک ایک فوجی قوم ہے۔ مسائل میں موشگافی نہیں کر سکتی۔ وہ قوم کے سپاہی ہیں اور صحیح اجتہاد کرنے والے فقیہہ نہیں پیدا کر سکے جو انہیں صحیح راستہ دکھائیں۔ اس لیے انہوں نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اپنی غلطیوں کو تُرک خود آئندہ دس سال میں محسوس کریں گے۔ میں آپ سے پرزور استدعا کرتا ہوں کہ آپ ہرگز تُرکی عورتوں کو تقلید کے لئے اپنا نمونہ نہ بنائیں' نہ مصطفیٰ کمال پاشا کی نام نہاد اصلاحات پر جائیں۔ ملک کو فوجی قوت و تنظیم کے بل پر بچانا اور بات ہے مگر آئندہ زندگی کے لئے قانون وضع کرنا بالکل علیٰحدہ بات ہے۔ پہلی بات کیلئے محض قوت کی ضرورت ہے' دوسری کے لئے خاص قابلیتوں کی ضرورت ہے۔ مصطفیٰ کمال پاشا نے جو کچھ اصلاحات کے سلسلے میں کیا ہے' وہ ہرگز حکمت پر مبنی نہیں۔ عورت کو آزادی خود شریعتِ اسلامی نے دے رکھی ہے' مصطفیٰ کمال پاشا کیا دیں گے؟ ہاں "مادر پدر آزادی" کی شریعت نے کبھی اجازت نہیں دی' نہ کوئی ہوش مند انسان کبھی اس کی خواہش کرے گا۔ بے جا آزادی سے تُرکی میں یورپین قسم کا ناچ شروع ہوا۔ اسی مصطفیٰ کمال پاشا کو وہ ناچ حکماً" بند کرنا پڑا۔

لالہ لاجپت رائے آنجہانی نے اپنی کتاب میں تُرکوں کا ایک سرکلر نقل کیا ہے جس میں وہ باتیں درج ہیں جن سے تُرکی عورتوں کو باز رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ان ہدایتوں میں یہ بھی ہے کہ جوان عورتوں کو رات نو بجے کے بعد گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ اگر نکلیں تو ان کا باپ یا بھائی کوئی نہ کوئی ان کے ساتھ ہو۔ اسی طرح تھیٹر کے متعلق بھی ایسی ہی ہدایت ہے۔ یورپ کے اور ملکوں کو بھی اس قسم کی ہدایت جاری کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی ہے۔ آخر کیوں؟ اس لئے کہ جو فطری پردہ غیر محرم مرد اور عورت میں ہونا چاہیے' وہ ان قوموں میں موجود نہ رہا اور آخر ان سرکلروں کے ذریعے سے اختیار کرنا پڑا۔

مسلمان عورتوں کے لیے بہترین اسوہ حضرت فاطمتہ الزہراؓ ہیں

ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ فقہ کی طرف متوجہ ہوں۔ جو حقوق ملتِ اسلامیہ نے عورتوں کو دیئے ہیں' وہ ان کے حصول پر اصرار کریں۔ شوہر' باپ' بھائی کون سیاہ دل مرد ہو گا جو آپ کو آپ کے حقوق دینے سے انکار کرے گا۔ ہمیں تو ملک میں مسلمانوں کے اندر اس قسم کی رائے عامہ پیدا کر دینی چاہیے کہ جب تک یہ طے نہ پا چکے کہ آئندہ زندگی میں عورت کے کون کون سے حقوق ہوں گے' اس وقت تک نکاح نہ پڑھا جائے۔ یہ تحریک بہت زور سے شروع ہونی چاہیے۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ مسلمان عورتیں مسلمان قوم کی بہترین روایات کی حفاظت کر سکتی ہیں بشرطیکہ وہ اصلاح کا صحیح اور عقلمندانہ راستہ اختیار کریں اور تُرکی یا دیگر یورپین ممالک کی عورتوں کی اندھا دھند تقلید کے درپے نہ ہو جائیں۔

مسلمان عورتوں کے لئے بہترین اسوہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ ہیں۔ کامل عورت بننا ہو تو آپ کو فاطمۃ الزہراؓ کی زندگی پر غور کرنا چاہیے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی سعی کرنی چاہیے۔ عورت کو اپنی انتہائی عظمت تک پہنچنے کے لئے فاطمہؓ کا نمونہ بہترین نمونہ ہے۔ میں ان خیالات کا اظہار "اسرارِ خودی" میں کر چکا ہوں۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی عظمت بیان کرنے کے لئے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ حسینؓ کی ماں تھیں۔

فطرت تو جذبہ با دارد بلند
چشم ہوش از اسوہ زہرا بلند
تا حسینے شاخ تو بار آورد
موسم پیشین بہ گلزار آورد

غرض یہ ہے کہ آپ کو لفظ آزادی پر نہیں جانا چاہیے' آزادی کے صحیح مفہوم پر غور کرنا چاہیے۔ یورپ کی آزادی ہم خوب دیکھ چکے ہیں۔ یورپین تہذیب باہر ہی سے دیکھی جا رہی ہے۔ کبھی اندر سے دیکھی جائے تو رونگھٹے کھڑے ہوں۔ بڑھے ہوئے معیار زندگی کا وہاں لوگوں پر یہ اثر پڑا ہے کہ بعض ماں باپ یورپ میں بچے کی زندگی کا بیمہ (Insure) کرا دیتے ہیں' پھر بچے کو تھوڑی سی رقم دے کر ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ بچوں کو اس قسم کی ہلاکت سے بچانے کے لئے یورپ میں کئی سوسائٹیاں مقرر ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پڑھیں' اس کی تعلیم پر غور کریں۔ پنجاب میں تو اچھی اچھی عدالتوں میں کہہ دیتے ہیں کہ ہم رواج کے پابند ہیں' شریعت کے پابند نہیں۔ محض اس لئے کہ بیٹیوں کو جائیداد سے حصہ نہ دینا پڑے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہم رواج کی قیود سے آزادی حاصل کریں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ مجھے قانون پیشہ ہونے کی وجہ سے کئی بار عدالتوں میں لڑکیوں کے حقوق کے لئے لڑنا پڑا ہے اور کئی دفعہ یہ خدمت میں نے بغیر فیس کے انجام دی ہے۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے ایڈریس دیا اور میں امید کرتا ہوں کہ جن خیالات کا اظہار میں نے آپ کے سامنے کیا ہے' ان پر پورے طور سے غور کریں گی اور اسلام کی اعلیٰ تعلیم سے فائدہ اٹھانے کی کوشش فرمائیں گی۔

(بشکریہ ماہنامہ سکھی گھر)

آج کی تازہ خبر

16 اپریل روزنامہ جنگ۔ حکومت سے محاذ آرائی اس طرح ختم ہو سکتی ہے کہ ٹی وی پر اشتہارات نہ آنے کے باعث زکوٰۃ کم ملنے سے جو نقصان ہوا ہے وہ پورا کر دیا جائے۔ (عمران خان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقائق و عبر

1- وہ خط جس کا جواب نہ ملنا تھا' نہ ملا

راولپنڈی سے راجہ عبدالرزاق صاحب کے سینٹر پروفیسر خورشید احمد صاحب کے نام طویل خط کی تلخیص

مکرم سینٹر خورشید احمد صاحب

السلام علیکم۔

"پاکستان میں بڑھتے ہوئے مغربی اثرات" کے عنوان سے آپ کا ایک بیان روزنامہ خبریں کی 13 مارچ 96ء کی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔ آپ نے کہا یہ ہے کہ:

1- آزادی سے قبل انگریز نے ہماری عدلیہ' معیشت' انتظامیہ' عدلیہ' تعلیم غرض ہر نظام کو تبدیل کر دیا تھا۔ اس لئے پاکستان میں جو نئی قیادت ابھری وہ انہی کی مرضی اور ترجیحات کے مطابق تھی۔

2- یورپ کو اپنا مفاد عزیز ہے لیکن ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم انہی کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ انہی کے کانوں سے سن رہے ہیں۔ انہی کی زبان بول رہے ہیں۔

3- مسلمان واحد امت ہے جس کے پاس دنیا کو دینے کے لئے ایک نظام ہے لیکن ہم خود ہی اس کو مٹا کر دوسروں کی تہذیبی غلامی اختیار کرنے پر آمادہ نظر آرہے ہیں۔

4- ہم نے اگر بحیثیت قوم اس صورت حال کا مقابلہ نہ کیا تو ہمارا کوئی مستقبل نہیں۔

آپ کے خیالات قابل صد ستائش ہیں لیکن یہ بھی تو دیکھئے کہ وفاقی شرعی عدالت 16 اکتوبر 89ء کو فیصلہ دے چکی ہے کہ انتخابی قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق بنایا جائے۔ لیکن دوسرے تو ایک طرف ہماری مذہبی جماعتیں تک بھی انہی قوانین کے تحت الیکشن لڑتی چلی جا رہی ہیں۔

وفاقی شرعی عدالت میں پولیٹکل پارٹیز ایکٹ کو قرآن و سنت کے مطابق بنانے کے لئے شریعت پٹیشن (5-1-89) زیر سماعت ہے۔ عدالت کے بار بار بلاوے کے باوجود 1989ء سے اب تک کوئی مذہبی جماعت اسلامی نقطہ نظر بیان کرنے کے لئے عدالت میں حاضر نہیں ہوئی۔

ان حالات میں قصور وار کون ہے؟

اللہ کے نازل کردہ قوانین کے مطابق فیصلے نہ کرنے والے کافر ہیں (القرآن)

دعوت مسلم و مؤمن

قال اللہ تعالی۔ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔ (اور میری آیتیں معمولی سی قیمت کے عوض مت بیچو' اور جو بھی اللہ

کے نازل کردہ (قانون) کے مطابق فیصلے نہیں کرتے تو وہی لوگ کافر ہیں (المائدہ : 44) آیت مذکورہ اور اس کے بعد کی آیات سے یہ امر واضح اور ثابت ہے کہ ماانزل اللہ (یعنی اللہ کے نازل کردہ قوانین) کے علاوہ کسی بھی نظام یا قانون پر چلنے والے لوگ اللہ کے نزدیک کافر ظالم اور فاسق ہوتے ہیں چاہے ان کا زبانی دعویٰ کچھ بھی ہو۔ دراصل محمدؐ پر نازل شدہ دین کے مقابل ہر نظام طاغوتی ہے جو محض ہوائے نفسانی یعنی خواہشات کا پیدا کردہ ہے' اور جس کے شرک و کفر ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ سورہ الجاثیہ کی 23 ویں آیت میں صاف فرما دیا گیا ہے **اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ۔۔ الایته** (تو کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا الٰہ بنا لیا ہے۔ تو اللہ نے بھی اسے علم کے باوجود گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ کر دیا ہے۔ اب اللہ کے سوا کون اسے رستے پر لا سکتا ہے۔ سو کیا تم غور نہیں کرتے؟ چونکہ اس آیت میں ہوا یعنی خواہش نفس کی تعبیر الٰہ سے ہوئی ہے تو اس کی تابعداری شرک ہے اور اپنی خواہش کی پیروی کرنے والا مشرک۔ لا الٰہ الا اللہ کا صرف ایک ہی مطلب ہے کہ الٰہ تو فقط اللہ ہی ہے جس کے علاوہ دوسرے الٰہ اختیار کرنا شرک ہے۔ یہی کلمہ طیبہ قرآنی پیغام کا محور ہے' جس کی وضاحت اور دوسرے اِلٰہ (یعنی الہوں) کی تفصیل مختلف پیرایوں میں قرآن میں تقریباً دو ہزار مرتبہ آئی ہے۔ خلاصہ جس کا یہ ہے کہ "ماانزل اللہ" تو اسلام ہے مگر خواہشِ انسانی پر مبنی ہر نظام کفر و شرک ہے۔ سورہ القصص آیت 50 میں فرمایا **وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ۔۔ الایته** (ترجمہ اگر یہ لوگ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ لوگ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں' اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہو گا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے۔ یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا) لہٰذا قرآن و حدیث کا تمام تر زور اس بات پر ہے کہ ہر نظام' چاہے انگریزی قوانین کا ہو یا تعلیم کا' جمہوریت ہو یا سرمایہ داری' اشتراکیت ہو یا سوشلزم' قبائلی ہو یا رواجی' کھلم کھلا کفر و شرک ہے' کیونکہ تمام انسانی نظام یا طریقے خواہشات ہی کی پیداوار ہیں۔ چنانچہ متذکرہ نظاموں کے چلانے والے بھی ازروئے قرآن و حدیث کافر' ظالم اور فاسق ہیں' چاہے وہ ان کے تحت فیصلے کرنے والے ہوں یا ان کے لئے گرفتاری کرنے والے' اس نظام کی حفاظت کرنے والے ہوں یا انہیں سیلوٹ و سلامی کرنے والے' خواہ عدلیہ کے اراکین ہوں جیسے جج اور وکلا یا سیاست و جمہوریت کے ٹھیکدار ہوں' جیسے صدر' وزراء اور سینٹ و اسمبلیوں کے ممبران' چاہے انتظامیہ کے اہل کار ہوں' جیسے فوج' پولیس' ملیشیا اور بارڈر فورس کے افسران' سپاہی اور تھانیدار یا تعلیمی نظام کے محافظ ہوں' جیسے کالجوں اور سکولوں کے پروفیسرو اساتذہ وغیرہ۔

سورہ النساء کی آیت 76 واضح طور سے ان دو مخالف رستوں کا فرق بتاتی ہے۔ ایک اللہ کی راہ ہے جب کہ دوسری طاغوت کی۔ **اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا۔۔۔ الایته** (جو لوگ ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ اور جو کافر ہیں وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔ تو اس لئے تم شیطان کے حمایتیوں سے [illegible] کرو کیونکہ شیطان کا داؤ کمزور ہوتا [illegible]

موجودہ وقت میں تمام دنیا میں رائج نظام یعنی اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے لیکر ہماری ملکی انتظامیہ کے معمولی سے معمولی شعبے تک مکمل طور سے طاغوتی ہے' تو ظاہر ہے کہ ہماری افواج پاکستان کی جنگیں بھی اسی نظام کی حفاظت کے لئے ہیں۔ حالانکہ سورہ التوبہ میں تو مومنوں کی ایک صفت "الحافظون لحدود اللہ" بیان کی گئی ہے' یعنی مومن لوگ تو اللہ کی حدود کی حفاظت کرتے ہیں اور صرف اسی کی راہ میں جنگ کرتے ہیں' جب کہ افواج پاکستان کا عمل ان آیات کے سراسر خلاف ہے۔

دعوت الی الوحی یعنی قرآن و حدیث :-

علاوہ ازیں سورہ النساء کی آیت 65 میں رسول اللہ کے فیصلوں سے روگردانی کرنے والوں کو غیر مومن کہا گیا ہے۔ **فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ---- الایتہ** اور اسی سورہ کی آیت 115 میں مومنوں کا رستہ چھوڑ کر جانتے بوجھتے دوسری راہوں پر چلنے والوں کو رسول کا دشمن اور جہنمی قرار دیا گیا ہے۔ **وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ-- الایتہ** اسی طرح سورہ آل عمران کی آیت 85 میں اسلام کے علاوہ ہر دین یا نظام کو غیر مقبول قرار دیا ہے۔ **وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا--- الایتہ** چنانچہ ان قرآنی تصریحات کے مطابق تو ہمارا تمام رائج نظام کفر بلکہ رسول دشمنی کے زمرے میں آتا ہے تو بھلا زبانی اسلام دوستی اور حب رسولؐ ہمارے کس کام آسکتی ہے۔

یاد رہے کہ لینن و مارکس کے فلسفے ہوں یا لارڈ میکالے کے نظریات' آرٹ و ثقافت کی نام پر فحاشی و بے حیائی اور مغرب پرستی ہو یا رسم و رواج کے پردے میں اپنی ہندووانہ ذہن کی تسکین' سب کی سب انسانی خواہشات کی پیروی ہے۔ اور ہمارے افسران و سیاست دان ہوں یا جج و مجسٹریٹ' سب اسی نظام تعلیم اور تہذیب و ثقافت کی پیداوار ہیں' جن کی بنیاد خواہشات پر رکھی گئی ہے' حالانکہ وحیٔ الٰہی تو ادب و تعلیم اور تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے ایک مکمل نظام ہے' جو نہ تو مروجہ دینی و دنیاوی علوم کا محتاج ہے نہ ان مشرقی و مغربی فنون کا۔ خلفائے راشدین کے دور میں تو اسلامی تعلیم و نظام کی بنیاد صرف قرآن و حدیث تھے مگر زوال امت کے ذمہ دار' غلامانہ ذہن کے علماء نے چودہ علوم کی شرط لگا کر عام مسلمانوں کو وحی کے علم سے محروم کر دیا اور خود دینی علوم کے ٹھیکیدار بن بیٹھے۔ اسی طرح مشائخ طریقت مراقبوں اور چلہ کشی کو لازم کر کے خود تو اولیاء اللہ بن گئے مگر عوام کو شودر بلکہ اللہ کا دشمن بنا ڈالا۔ اسی طرح امراء اور سرمایہ داروں نے انگریزی تعلیم اور نظام کو سجدہ لگا کر اقتدار پر قبضہ جما کر عوام کو غلام بنا لیا' حالانکہ نہ تو قرآن و حدیث کسی ایک طبقے کا اجارہ یا ملکیت ہیں' نہ اللہ کی ولایت کسی کی میراث اور نہ ہی حکومت امیروں کے باپ کی جائیداد ہے۔ دور خلفائے راشدین میں اسلامی حکومت عرب و عجم پر قائم تھی حالانکہ نہ تو چودہ علوم کے مدارس تھے' نہ رہبانیت کی خانقاہیں اور نہ ہی انگریزی کالج' مگر چونکہ وحیٔ الٰہی انسانوں کے وجود میں اپنے تمام تقاضوں سمیت موجود تھی لہٰذا اسلامی نظام بھی مکمل تھا۔ جب کہ آج ہم اس سے اس لئے محروم ہیں کہ وحیٔ الٰہی فقط کاغذوں پر ہے یا زبانوں پر۔ اور جتنی بھی مسلمانوں کو اپنانے کا دعویٰ ہے تو وہ بھی مختلف حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ کسی کی پاس

توحید و رد شرک کی آیات و احادیث ہیں تو کسی نے صرف دعوت و تبلیغ والی اپنا لی ہیں۔ کوئی صرف جہاد کا نعرہ بلند کر رہا ہے تو کوئی ذکر و فکر ہی کو نجات کا واحد رستہ قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اس تقسیم وحی کی وجہ سے امت بھی گروہوں اور فرقوں میں تقسیم ہو چکی ہے اور ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتے پھرتے ہیں حالانکہ قرآن تو پارٹی بنانے کو بھی شرک کہتا ہے۔ فرمایا **وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ** ۳۲ **الایته** (اور مشرکوں میں سے نہ ہونا' ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین میں تفریق کی اور گروہ در گروہ (یعنی فرقے فرقے) ہو گئے۔ ہر گروہ اپنے اپنے نظریات و عقائد میں مگن ہے جو ان کے پاس ہیں۔ (الروم : 32,31)

بلکہ ہمارے مذہبی پیشواؤں یعنی علماء و مشائخ اور تبلیغی بزرگوں کے رویوں سے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے انہوں نے حاکم طبقات کے ساتھ ایک سمجھوتہ بلکہ معاہدہ کر رکھا ہو کہ نظام و حکومت کی باگ ڈور یعنی امامت کبریٰ تو سرمایہ داروں کے پاس ہی رہے اور امامت صغریٰ یعنی مسجد' تلاوت' نکاح و جنازے اور وعظ و تبلیغ وغیرہ مذہب کے ان ٹھیکیداروں کے قبضے میں رہے۔ اسلامی نظام کے لئے دراصل ایک بڑی رکاوٹ یہ رویہ بھی ہے کہ مذہبی پیشواؤں نے قرآن کو تعویذ' دم' تلاوت اور ختم قرآن کے چکروں میں الجھا کر اسے صرف اُجرت اور وظیفہ خوری کا ذریعہ بنا ڈالا۔ یوں یہ لوگ حق کو چھپانے کے مرتکب بھی ہیں اور قرآنی فتوؤں کی زد میں آتے ہیں۔ فرمایا **إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ------ الایته** (ترجمہ جو لوگ ہمارے واضح حکموں اور ہدایتوں کو جو ہم نے نازل کی ہیں (کسی غرض سے) چھپاتے ہیں باوجود اس کے کہ ہم نے لوگوں کے لئے اپنی کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں' ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت اور تمام لعنت کرنے والوں کی بھی لعنت ہو۔ البقرہ 159)

حق کو چھپانے کے لحاظ سے دو باتیں اہم ترین ہیں۔ ایک تو یہ کہ آج کے علماء اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی کو صرف گناہ کہہ کر گویا لوگوں کو نجات و بخشش کے بارے میں شدید غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے مجرم ہیں۔ یہ لوگ کلمہ گوئی کی آڑ میں ہر جرم کو معمولی سمجھنے لگے' حالانکہ قرآن کے مطابق جس گناہ میں بھی خواہش شامل ہو جائے وہ سراسر شرک ہے۔ قرآن و سنت کے مطابق تو ٹی وی کی فحاشی اور وی سی آر و ڈش انٹینا کی بے حیائی میں مبتلا لوگ بھی ملعون یعنی لعنتی ہیں' کجا کہ لڑکیوں اور لڑکوں سے زنا اور عملی بے حیائی میں ملوث افراد۔ واضح رہے کہ گناہ کبیرہ و صغیرہ تو مومن سے بھی سرزد ہو جاتے ہیں مگر وہ فوراً توبہ کر کے پھر ہمیشہ کے لئے اس سے باز رہتے ہیں۔ مگر چونکہ آج علماء کفر و شرک صرف بُت کو سجدہ لگانے کو کہنے لگے تو اسی لئے ہر قسم کے کفر و شرک مسلمانوں کے معاشرے میں پھیل گئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کی جو آیات حکمران طبقات اور سرمایہ داروں کو کافر قرار دیتی ہیں' علماء انہیں نہ صرف بیان کرنے سے احتراز کرتے ہیں بلکہ حاکموں اور سرمایہ داروں کی طرف سے یہ وکالت اور مناظرے کرنے کو بھی تیار ہیں کہ گورنمنٹ کے اہل کار کلمہ گو ہونے کے ناطے مسلمان ہیں۔ حالانکہ قرآن ایک ہی آیت میں تین بڑے گمراہ طبقوں یعنی علماء' مشائخ اور سرمایہ داروں

کو رد کرتا ہے۔ فرمایا **یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ---- الایته** (اے ایمان والو بے شک احبار و رہبان (یعنی علماء و مشائخ) میں سے کثیر لوگ عوام کے مال ناحق اور باطل طریقوں سے کھا جاتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ سے روکتے بھی ہیں۔ اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں (یعنی سرمایہ دار) اور اس کو اللہ کے رستے میں خرچ نہیں کرتے' ان کو المناک عذاب کی خبر سنا دو۔ التوبہ (34 :

لہٰذا اگر علماء و مشائخ اور تبلیغ والے اپنے مدرسوں' مرکزوں' خانقاہوں اور جماعتوں میں قرآن کی لعنت کے بارے میں آیات' (مثلاً سورہ البقرہ 159-161' المائدہ 78-80' الاحزاب 60-61) آیات ہینٹ اور کفر و شرک کے فتاویٰ کھول کھول کر بیان نہ کریں تو یہی پیشوایان دین خود بھی ملعون بلکہ شرک کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں تو انکے پیچھے نمازیں بھی نہیں ہوتیں' یعنی اگر یہ لوگ کفر کے نظام پر چلنے والی حکومت اور بے حیائی میں ڈوبے ہوئے معاشرے پر لعنت اور کفر کا قرآنی فتویٰ نہیں لگاتے تو یہ خود از روئے قرآن ملعون و مشرک قرار پاتے ہیں۔ چنانچہ عوام سے اپیل ہے کہ وہ اپنے علماء و مشائخ اور تبلیغی بزرگوں کو یہ قرآنی آیات و احکامات اور فتوے بیان کرنے پر مجبور کریں اور ان کے انکار کی صورت میں ان کی امامت و پیشوائی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں۔

یہی وجہ تو ہے کہ نہ تو افغانستان میں جہاد سے اور نہ ہی پاکستان و ہندوستان میں تبلیغ سے کوئی اسلام آسکا۔ اب اگر ان علماء و مشائخ کی وجہ سے لوگ آدھا نظام تو اللہ کا نازل کردہ مانیں اور آدھا اپنی خواہشات کا بنایا ہوا' تو قرآن انہیں مشرک اور جہنمی قرار دیتا ہے (البقرہ : 85) قرآن ان لوگوں کو بھی جانوروں سے بدتر اور جہنمی قرار دیتا ہے جو اپنی آنکھیں' کان اور دل و دماغ قرآن کے مطابق استعمال نہیں کرتے (اعراف : 179)

آج صورت حال یہ ہے کہ ہمارے صدر' وزراء و مشیر' سینٹ و اسمبلی کے ممبران' جج و مجسٹریٹ اور تمام سول و فوجی افسران و ملازمین بالکل یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی طرح اپنے ملک اور اس کے آئین و قانون سے وفاداری کا حلف اٹھاتے اور قسم پریڈیں کرتے ہیں' جو کہ ایک واضح شرک و کفر ہے۔ 1973ء کے آئین پر تمام ممبران اسمبلی بشمول علماء نے اپنے دستخط کئے چنانچہ عورت کی حکمرانی آج اسی آئین کے تحت جائز قرار پائی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر پاکستان کے آئین و قوانین اسلامی ہوتے تو پھر یہاں اسلامی نظام کے مطالبے کیوں ہوتے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ آج ایک بھی ملک عملاً اسلام پر قائم نہیں' محض نام کے اسلامی ممالک ہیں۔

ان سب خرابیوں اور دین حق سے مسلمانوں کے انحراف کی اصل وجہ یہ ہے کہ علماء نے "اللہ" کے معنی و تشریح اپنی ہی خواہش اور مرضی کے مطابق لُغت اور صرف و نحو کی کتابوں سے کر ڈالے ہیں' جو کہ قرآن و حدیث کے بیان کردہ حقیقی معنی سے یکسر مختلف بلکہ متضاد ہیں۔ بلکہ یہ تو اسلام کی بنیاد کو بدلنے کی ایک خوفناک اور گھناؤنی سازش ہے۔

خلافت کا قیام اور باطل سے جنگ ہی مومنوں کا اصل کام ہے' مگر افسوس کہ آج کے علماء و مشائخ اور تبلیغی اسے قائم کرنے اور باطل کو چیلنج کرنے

سے معذور اور خوفزدہ ہیں- خلاصہ یہ ہے کہ اگر موجودہ خواہشات کے نظام اور معاشرے کی بے راہ روی پر علماء و مشائخ اور تبلیغی بزرگوں نے قرآن و حدیث سے فتویٰ لگا دیا تو یہ لوگ خود کفر و ملعونیت کا نشانہ بننے سے بچ گئے' ورنہ قرآن اس لعنت زدہ حکومت اور معاشرے کے ساتھ ساتھ ان پر بھی لعنت بھیجتا ہے- جس طرح بنی اسرائیل میں سے یہودیوں پر حضرت داؤد علیہ السلام کی زبانی لعنت کی گئی اور عیسائیوں (نصرانیوں) پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے' اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان زبانی اور بد عمل مسلمانوں پر لعنت کا فتویٰ ہے-

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی کو مذکورہ بیان پر شبہ ہو تو وہ اپنے علاقے میں ایک اجتماع کا اہتمام کرے- انشاء اللہ ہم وہاں قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ ثابت کریں گے کہ موجودہ اسلامی ممالک میں مروج نظام چاہے انگریزی قوانین ہوں یا رواج' اشتراکیت ہو یا جمہوریت' سب انسانی خواہشات کی پیداوار ہیں لہٰذا یہ تمام کفر ہیں اور ان کو چلانے والے کافر ہیں- اسی طرح آیات بینات کو چھپانے والے ملعون اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دنیا و آخرت میں محروم ہیں-

واضح رہے کہ علماء و مشائخ اور بزرگان تبلیغ قرآن کا یہ فتویٰ اس لئے نہیں بیان کرتے کہ اول تو خود قرآن میں تدبر نہیں کرتے اور اس کے لئے چودہ علوم کی شرط لگاتے ہیں- دوسری وجہ یہ ہے کہ تنظیموں اور گروہوں میں تقسیم ہیں اور ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتے رہتے ہیں- تیسری اور بڑی وجہ یہ ہے کہ موجودہ نظام چلانے والے حکمرانوں سے انہیں دنیاوی منافع حاصل ہیں چنانچہ اگر انہی پر یہ فتویٰ لگا دیں تو جہاد و ہجرت و "قتال فی سبیل اللہ" فرض ہو جائیں گے جس کے لئے یہ لوگ تیار نہیں-

چنانچہ اسلام کے نفاذ کے لئے ہماری دعوت یہ ہے کہ اول قرآن مجید کی دعوت و تبلیغ و تدبر مکمل تقاضوں کے ساتھ امت مسلمہ کے سامنے پیش کریں اور اس میں سب سے پہلے لا الہ الا اللہ کی تحقیق کی جائے کیونکہ کلمہ طیبہ ہی اسلام' ایمان و قرآن کی بنیاد ہے- اس کے بعد صحیح احادیث اور فقہ ہیں- باقی تمام کتابوں پر پابندی ہو تاکہ مکمل وحی الٰہی امت مسلمہ کے لوگوں کے وجود میں آجائے- پھر تین قرآنی فتاویٰ کے اعلان پر تمام علماء و مشائخ اور بزرگان تبلیغ مکمل اتفاق کریں-

اول : موجودہ انسانی نظام کفر ہے-

دوم : اس نظام کے چلانے والے سب کافر ہیں-

سوم : آیات بینات کو چھپانے والے ملعون ہیں-

واضح رہے کہ اسلامی نظام بغیر قرآن مجید کے ممکن نہیں اور اس کے نفاذ کے لئے دعوت و تبلیغ اور ہجرت و جہاد لازم ہیں- افغانستان کے جہاد و ہجرت سے اسلامی نظام نہیں بلکہ جمہوریت نافذ ہوئی کیونکہ وہ قرآن کی بنیاد پر نہ تھے- اسی طرح پاکستان میں مدارس اسلامیہ' اہل تبلیغ' مشائخ اور سیاسی علماء' اسلامی نظام کے نفاذ میں مکمل طور سے ناکام رہے ہیں کیونکہ ان کا ایمان چودہ علوم اور انگریزی تعلیم پر ہے- مسلمان عرب و عجم میں اسلامی نظام نافذ کرنے میں ناکام رہے ہیں کیونکہ تمام شرک و کفر' ظلم و فساد اور بے حیائی و فحاشی کی اصل وجہ قرآن و حدیث کے آگے علماء کی لگائی ہوئی رکاوٹ اور پابندی ہے- اگر وحی الٰہی پر سے چودہ علوم اور دیگر پابندیاں اٹھا لی

جائیں تو امت مسلمہ میں ایک اسلامی انقلاب برپا ہو جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ ایک قرآن حکیم اور دوسری میری سنت' اگر ان کی مکمل پیروی کرو تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔" سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور تفرقے میں مت پڑو۔

(لکی مروت سے مولوی محمد ظاہر شاہ صاحب کا کھلا خط)

طلوع اسلام : ضروری نہیں کہ طلوع اسلام ان خطوط سے کلی طور پر متفق ہو لیکن قرآنی نظام کے نفاذ کے لئے تڑپ کا عالم دیکھئے کہ مذہبی جماعتوں کی بے حسی دیکھ کر لوگ کس طرح اکیلے ہی اٹھ کھڑے ہوئے ہیں لہٰذا اکابرین مذہب و حکومت اور دانشوران قوم پر یہ حقیقت واضح ہو جانی چاہیے کہ سوچ کا یہ دھارا اب روکے نہیں رکے گا۔

ماہنامہ صوت الحق

ماہنامہ مذکور میں جانے پہچانے نام دیکھ کر ہمارے بعض قارئین نے پوچھا ہے کہ کیا "ماہنامہ صوت الحق" تحریک طلوع اسلام ہی کا متبادل پرچہ ہے؟۔ ایسے تمام قارئین کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ "ماہنامہ صوت الحق" کا تحریک طلوع اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ دنیا میں بے شمار پرچے شائع ہوتے ہیں ان میں بہت سے طلوع اسلام کا رنگ لئے ہوتے ہیں۔ بعض پرچوں میں وابستگان طلوع اسلام بھی بطور قلمکار حصہ لیتے ہیں تاہم تحریک طلوع اسلام کا ایک ہی پرچہ ہے اور اس کا نام "ماہنامہ طلوع اسلام ہے"۔

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام

پاکستان میں

علامہ غلام احمد پرویزؒ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل مقامات پر ہوتا ہے

شہر	مقام	دن	وقت
1- ایبٹ آباد	234 کے- ایل کیمال- رابطہ: شیخ صلاح الدین	ہر روز	عندا لطلب
2- ایبٹ آباد	234 کے- ایل کیمال- رابطہ: مسز گل بہار	منگل	3 بجے
3- ایبٹ آباد	K/355 کنج روڈ- رابطہ: غلام مصطفیٰ اعوان	جمعتہ المبارک	10 بجے صبح
4- بورے والا	بر مکان محمد اسلم صابر- مرضی پورہ گلی نمبر5- رابطہ فون: 55438	پہلا اور تیسرا جمعہ	10 بجے صبح
5- پشاور	دفتر جناب عبداللہ ثانی صاحب ایڈووکیٹ- کابلی بازار- رابطہ: 840945	ہر بدھ و جمعہ	5 بجے شام
6- پشاور	بر مکان ابن امین فقیر آباد	جمعتہ المبارک	4 بجے شام
7- پیر محل	مکان نمبر 140/139- مدینہ پارک	ہر ماہ پہلا جمعہ	9 بجے صبح
8- پنج کسی	بر مطب حکیم احمد دین	جمعتہ المبارک	3 بجے سہ پہر
9- جہلم	بر مکان محترم قمر پرویز مجاہد آباد' جی- ٹی روڈ	جمعتہ المبارک	4.30 بجے شام
	القلم سکول چک جمال روڈ- کالا گجراں	مہینے کا آخری جمعہ	9 بجے صبح
10- جلالپور جٹاں	یونائیٹڈ مسلم ہسپتال	جمعرات	10 بجے صبح
11- چنیوٹ	ڈیرہ میاں احسان الٰہی کونسلر بلدیہ پیر ہٹہ بازار	جمعتہ المبارک	بعد نماز جمعہ
12- چک 215 ای- بی	بر مکان چوہدری عبدالحمید	جمعتہ المبارک	8 بجے صبح
13- حیدر آباد	گولڈن سینٹری' عثمان آباد	جمعتہ المبارک	10 بجے صبح
14- حیدر آباد	B-12 قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر	جمعتہ المبارک	بعد نماز عصر
15- ڈی- جی خان	بلاک G- کچہری روڈ' رابطہ انیس الرحمان فون: 61519	جمعتہ المبارک	9 بجے صبح
16- رجانہ	بر مکان چوہدری ایس- ایم صادق' مین بازار	ہر ماہ تیسرا جمعہ	10 بجے صبح
17- راولپنڈی	بمقام E-47/4385 اپر سٹوری ہائی وے آٹوز نزد پل لئی گوالمنڈی راولپنڈی فون: 74752	جمعتہ المبارک	4.30 بجے شام
18- سرگودھا	60- اے سول لائنز' ریلوے روڈ- رابطہ فون: 720083	جمعتہ المبارک	9 بجے صبح
19- سیالکوٹ	محمد افضل خلجی' ایبٹ روڈ- رابطہ فون: 263252	پہلا اور دوسرا جمعہ	8 بجے صبح
20- فیصل آباد	23- سی پیپلز کالونی (نزد تیزاب مل) رابطہ: ڈاکٹر محمد حیات ملک- فون: 720096	ہر جمعتہ المبارک	3.30 بجے دوپہر

شہر	مقام	دن	وقت
22- کراچی	کراچی سی بریز' روم نمبر105 شارع فیصل رابطہ شفیق خالد- فون: 0201-713575	جمعۃ المبارک	4 بجے شام
23- کراچی	مکان 16 گلشن مارکیٹ' 36/C ایریا کورنگی 5 رابطہ: محمد سرور' فون: 312631	جمعۃ المبارک بروز پیر	11.30 بجے صبح بعد نماز مغرب
24- کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال- ایاز حسین انصاری رابطہ فون: 4571919	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
25- کوہاٹ	برمکان شیر محمد' نزد جناح لائبریری	جمعۃ المبارک	8 بجے صبح
26- کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ	جمعۃ المبارک	4 بجے سہ پہر
27- گوجرانوالہ	شوکت نرسری گل روڈ' سول لائنز	جمعۃ المبارک	بعد از نماز جمعہ
28- گجرات	مرزا ہسپتال' کچہری روڈ	جمعرات	3 بجے
29- لاہور	25- بی گلبرگ II (نزد مین مارکیٹ)	جمعۃ المبارک	9-30 بجے صبح
30- لاہور 1	ڈان ماڈل سکول' احباب کوآپریٹو سوسائٹی جوہر ٹاؤن لاہور	جمعرات	11 بجے قبل دوپہر
31- لیہ	رحمانیہ میڈیکل سنٹر	جمعۃ المبارک	بعد نماز مغرب
32- ملتان	شاہ سنز بیرون پاک گیٹ	جمعۃ المبارک	9 بجے صبح
33- مامون کانجن	برمکان ڈاکٹر (ہومیو) محمد اقبال عامر چک 509 گ ب	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
34- اوکاڑہ	برمکان میاں محمد سعید مکان 116 گلی 6 سیٹھ کالونی نمبر2 رابطہ فون: 3660	ہر جمعۃ المبارک	9-30 بجے صبح
35- واہ کینٹ	برمکان محمد داؤد' کوارٹر نمبر19E/119	ہفتہ	3 بجے بعد دوپہر
36- رانی پور	اوطان ڈاکٹر سلیم سومرو سومرو محلہ رابطہ شفیع محمد سومرو	جمعۃ المبارک	بعد نماز عشاء

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی دستیاب ہے۔
تحریک طلوع اسلام سے متعلق استفسارات مندرجہ بالا مقامات پر موجود کارکنان تحریک کے حوالہ کیجئے۔
جواب ادارہ سے براہ راست دیا جائیگا۔

DARS-E-QURAN (ABROAD)

(Recorded Lectures of Allama Parwez (r)

BOOKS AND MAGAZINE TOLU-E-ISLAM ARE ALSO AVAILABLE AT THE FOLLOWING PLACES.

1.	**CANADA** 716 The West Mall,Suit 1804 Etobicoke, ONT (416) 620-4471	First Sun 11AM
2.	**DENMARK** Herninggade 8.st th., 2100 Copenhagen 0	Last Sat 2 PM
3.	**KUWAIT** Flat No. 6, Floor No. 3 Taher Bu Hamad Building Oppsite Al-Othman Mosque, Hawally, Kuwait	Friday 5.PM
4.	**NORWAY** Akeberg Veien-56, Oslo-6 Galgeberg, 4th floor	1st Sun 4.PM
	Trosvik Snippen.3 1610. Fredrikstad	Sunday 12.PM
5.	**UNITED KINGDIM**	
	(i) Birmingham 229 Alum Rock Road	Sunday 3PM
	(ii) London 76 Park Road Ilford Essex Phone 081-553-1896	1st Sun 2:30PM
	(iii) Yardley 633 Church Road, Yardley, Birmingham B33 8HA (Phone 021-628-3718)	Last Sun 2PM
	(iv) Essex 50 Arlington Road, Southend-on-Sea ESSEX SS2 4UW, Phone 0702-618819	2nd Sun 3PM
	(v) Yorkshire Cardigan Community Centre 145-49 Cardigan Road LEEDS-6 Contact M. Afzal Phone 0532-306140	1st Sun 3PM
	Dars-e-Quran Oslo (NORWAY)	Thursday 21:00PM